ماہنامہ

محدث

بنارس

سرپرست

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر

مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی — **مولانا عبدالمتین مدنی**

عدد مسلسل: ۳۴۵

جلد: ۳۰ ، شمارہ: ۹

شوال المکرم ۱۴۳۳ھ

ستمبر ۲۰۱۲ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱جی، ریوڑی تالاب

وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

Darut Taleef Wat Tarjama

B.18/1-G, Reori Talab,

Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۳
۳-افتتاحیہ	مدیر	۴
۴-مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ......	مولانا اسعد اعظمی	۷
۵-فضائل قربانی کی احادیث......	غازی عزیر	۱۴
۶-حج-فضیلت واہمیت،محاسن واسرار	محمد اسلم مبارکپوری	۲۱
۷-صفاومروہ: فضائل واحکام	محمد اظہر بن اصغر علی امام مہدی السلفی	۲۸
۸-اولاد میں بگاڑ-اسباب اور علاج	محمد انور محمد قاسم سلفی	۳۱
۹-اعتقادی انحرافات کے ظہور......	راشد حسن فضل حق مبارکپوری	۳۷
۱۰-عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۵
۱۱-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۶
۱۲ -باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۷

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

ان دوفرقوں میں سے امن کا کون زیادہ مستحق ہے اگر تم جانتے ہو؟ (سورہ انعام:۸۱)

(اسلامی شریعت کی دوسری اساس احادیث رسول)

(۹) عبداللہ سعود بن عبدالوحید

تدوین حدیث کی تاریخ جاننے کے لیے صحابۂ کرام کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالے بغیر ہم اس کی اہمیت کونہیں سمجھ سکتے۔قرآن وحدیث یعنی اسلامی شریعت کی جملہ معلومات ہم کوصحابہ کرام کے ذریعہ ہی پہونچی ہیں، یہ وہ جماعت ہے جس نے براہ راست اس کورسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا اورآنے والی نسلِ انسانی تک ایمان داری اورصداقت کے ساتھ پہونچایا، اللہ کے رسول محمد ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام اور حجۃ الوداع کے موقع پر ان صحابہ کرام سے فرمایا تھا،حضرت جبیر بن مطعم اور دیگر صحابۂ کرام سے مروی ہے کہ منیٰ میں خیف کی جگہ آپ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا:’’نضرالله عبدا سمع مقالتي فوعاها وحفظها ثم أداها إلى من لم يسمعها فرب حامل فقه لا فقه له ورب حامل فقه إلى من هو أفقه منه‘‘ (مسند احمد:۱۶۷۸۴،ابن ماجہ:۲۳۶،ترمذی:۲۶۵۸)اللہ اس شخص کوتروتازہ رکھے جس نے میرے فرمان کوسنا اوراس کو یادرکھا اوراس کی حفاظت کی اوراس کواس شخص تک پہونچایا جس نے نہیں سنا ہے کیونکہ بسا اوقات بات کوسننے والے غیر فقیہ ہوتے ہیں یا اس کوسمجھ نہیں پاتے اور بہت سے بات کوپہونچانے والے اپنے سے زیادہ سمجھ رکھنے والے اور زیادہ فقیہ تک پہونچاتے ہیں۔

اس فرمان سے یہ واضح ہے کہ آپ ﷺ اپنی ہر حدیث کومن وعن آنے والی نسل تک پہونچانے کاحکم دے رہے ہیں، چاہے سامع اس کوسمجھے یا نہ سمجھے تا کہ شریعت اسلامیہ کی ہر بات سب تک پہنچ جائے۔

اللہ تعالی نے سورہ مائدہ آیت نمبر۶۷ میں آپ ﷺ کوحکم دیا تھا:﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ اے رسول جوکچھ بھی آپ پر تیرے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے سب کوپہنچا دیجئے،اگرآپ نے ایسا نہ کیا تو تواللہ کی رسالت کوآپ نے پورا نہ کیا، اللہ آپ کولوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

پوری امت اورتمام ائمہ اس بات پرمتفق ہیں کہ جملہ صحابۂ کرام عادل اور سچے تھے اورشریعت کے معاملہ میں بے حد محتاط تھے۔کیونکہ ان کورسول اللہ ﷺ کی یہ تنبیہ ملحوظ خاطر تھی جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:’’ان النبي ﷺ قال لا تكتبوا عني ومن كتب عني غير القرآن فليمحه وحدثوا عني ولا حرج ومن كذب عليّ متعمدا فليتبوأ مقعده من النار‘‘(صحیح مسلم:۳۰۰۴)یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سوائے قرآن (اللہ کی کتاب) کے میرا کوئی فرمان تم لوگ لکھا مت کرو۔جس نے قرآن کے علاوہ میری کسی بات کولکھ رکھا ہے تو اسے چاہئے کہ اس کومٹادے، ہاں میری باتوں کوبیان کرو اس میں کوئی حرج یاممانعت نہیں ہے (لیکن یہ بات ذہن نشیں رہے) کہ جوکوئی جان بوجھ کرکوئی بات میری طرف سے جھوٹی منسوب کرے گا تووہ سمجھ لے کہ اس کاٹھکانہ جہنم ہوگا۔

(بقیہ صفحہ۲۰ پر)

درس حدیث

عیدگاہ میں دوگانۂ عیدادا کرنے کی اہمیت

مولانا عبدالمتین مدنی

عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَخْرُجُ يَوْمَ الْفِطْرِ وَالْأَضْحىٰ إِلَى الْمُصَلّٰى. (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۹۵۶)

ترجمہ: ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ یوم الفطر اور یوم الاضحیٰ کو عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے۔

اللہ تعالی نے اہل اسلام کو عظیم الشان دو عید عطا فرمایا ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ وہ یہ عید خوشی و مسرت کے ساتھ منائیں، عید الفطر و عید الاضحیٰ یا عید رمضان و عید قرباں، عیدین کے موقع پر اللہ کے رسول ﷺ کے معمولات و سنن کو کتب احادیث میں محدثین کرام نے ذکر کیا تاکہ مسلمان خوشی کے ان مواقع پر اللہ کے رسول ﷺ کی پیاری سنتوں کا اہتمام والتزام کریں۔

عیدین کی سنتوں میں سے ایک اہم سنت جس کا ذکر مذکور بالا حدیث میں کیا گیا کہ آپ عیدین کا دوگانہ عیدگاہ جاکر ادا فرمایا کرتے تھے، یہ آپ ﷺ کا معمول تھا، آپ کے بعد خلفائے راشدین بھی اسی پر قائم رہے، اور انہوں نے اس سنت کے ترک کو ناپسند فرمایا، البتہ اگر کسی کے ساتھ کوئی معقول عذر ہو تو اس کے لیے مسجد میں عیدین کی نماز کا انتظام کیا جائے، چنانچہ ایک موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسجد کے اندر ضعیف اور نابینا حضرات کی امامت کے لیے ایک شخص کو مکلّف فرمایا کہ وہ انہیں عید کی دوگانہ پڑھادیں، اور خود عیدگاہ جاکر نماز ادا فرمائی۔ (سنن البیہقی: ۳/۳۱۰، ابن المنذر فی الاوسط: ۲۰۸۷)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ عذر کی حالت میں مثلاً بارش یا مرض وغیرہ کی وجہ سے مسجد میں عید کا دوگانہ ادا کیا جاسکتا ہے، ورنہ اصل تو اسے عیدگاہ جاکر ہی ادا کرنا چاہئے۔

یہ بہت افسوس کی بات ہے کہ عید الفطر کے موقع پر تو مسلمانوں میں اس سنت پر عمل کرنے کا اہتمام نظر آتا ہے، مگر عید قرباں کے موقع پر یہ اہتمام نظر نہیں آتا، اللہ کے رسول نے جس مبارک سنت پر ہمیشگی برتی اور جس میں مسلمانوں کی اجتماعیت اور شان وشوکت کا اظہار ہے اسے چھوڑ کر بہت سے مسلمان قریب کی مسجد میں ہی دوگانہ ادا کرنے کو پسند کرتے ہیں، عمل کا یہ کتنا افسوسناک تضاد ہے، ایک طرف تو ہم سنت ابراہیمی کے ادا کرنے میں مستعدی دکھلاتے ہیں اور دوسری طرف وہ نبی محترم جس کے ہم امتی ہیں اس کی اس سنت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے؟

اس سنت کی اہمیت کا اندازہ ہمیں اس بات سے بھی لگانا چاہئے کہ آپ نے وہ مسجد جس میں نماز پڑھنے کا ثواب ایک ہزار نماز کے برابر ہے، اسے چھوڑ کر مصلی العیدین عیدین کا دوگانہ ادا فرمایا، مزید یہ کہ آپ نے اس پر ہمیشگی برتی، صرف ایک مرتبہ بارش کی وجہ سے آپ نے مسجد نبوی میں نماز عید ادا فرمائی۔ (ابوداود: ۹۸۰، ابن ماجہ: ۱۳۰۳)

اس لیے مسلمانوں کو چاہئے کہ اس مبارک سنت کو قائم وزندہ رکھیں اور جس پر ہمارے نبی نے مداومت اختیار فرمائی ہے۔ یہی اتباع سنت کا تقاضہ ہے۔

☆☆☆

افتتاحیہ

بقاء تاریخ مکہ

بیت اللہ، مشاعر اور حدود حرم کی بقاء پر منحصر ہے

عالم اسلام کی معروف علمی شخصیت دکتور صالح بن فوزان الفوزان الفرقان شمارہ ۶۸۸ کویت میں تحریر فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے آثار کی حفاظت پر بہت زیادہ گفتگوئیں ہورہی ہیں، بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے تاریخ مکہ کا تحفظ ہوتا ہے، اور مکہ کی تاریخ کا ضیاع امت کی تاریخ کا ضیاع ہے، دکتور فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ کہنا ہے کہ: مکہ اور اس کے مقدسات کی حفاظت ہر مسلمان پر واجب ہے، اور یہ حفاظت ان چیزوں سے متعلق ہے جن سے اللہ نے مکہ کو ممتاز کر رکھا ہے جیسے بیت اللہ الحرام، مشاعر اور مکہ کے اردگرد پر امن حرم، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وربك يخلق ما يشاء ويختار﴾ (القصص:۶۸) آپ کا رب جو کچھ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے انھیں مقدسات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دیگر مقامات میں سے مکہ مکرمہ کو منتخب فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ أولم يروا أنا جعلنا حرما اٰمنا ويتخطف الناس من حولهم﴾ (العنکبوت:۶۷) کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے ان کے لیے ایک پرامن حرم بنایا ہے جبکہ لوگ ان کے اردگرد سے اچک لیے جاتے ہیں، اسی پرامن حرم میں وہ بیت اللہ الحرام ہے جسے اللہ نے لوگوں کے بار بار لوٹ کر آنے اور امن کی جگہ بنایا، مسلمانوں پر واجب قرار دیا کہ اپنی نمازوں میں اس کی طرف اپنے چہرے کریں اور اس کا حج کرنا ان پر واجب قرار دیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا﴾ (ال عمران:۹۷) ”اور اللہ کی رضا کے لیے بیت اللہ کا حج کرنا ان لوگوں پر فرض ہے جو وہاں پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں۔

بیت اللہ الحرام کے سوا اور کسی مقام کا حج نہیں، نمازوں میں اس کے سوا اور کسی طرف رخ نہیں کیا جا سکتا اس بیت عتیق بیت اللہ الحرام کے پاس مشاعر یعنی منیٰ، مزدلفہ اور عرفات ہیں جہاں حج کے اعمال انجام دئے جاتے ہیں اور اس کے اردگرد حرم ہے جو تمام سمتوں سے اسے گھیرے ہوئے ہے، جس کے شکار کو نہ بھڑکایا جا سکتا ہے، نہ اس کے کانٹے کاٹے جا سکتے ہیں، نہ اس کی گری پڑی چیز اٹھائی جا سکتی ہے سوا اس کے جو اس کی پہچان کرانے کے لیے اٹھالے ”ومن دخله كان اٰمنا“ جو اس میں داخل ہو جائے اس کے لیے امن ہے۔ حتیٰ کہ شکاری جانور کے لیے بھی، یہ بیت اللہ الحرام اکیلے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا ہے۔ ﴿وإذ بوأنا لإبراهيم مكان البيت أن لا تشرك بي شيئا وطهر بيتي للطائفين والقائمين والركع السجود﴾ (الحج:۲۶) ”اور جب ہم نے ابراہیم کے لیے خانۂ کعبہ کی جگہ مقرر کردی اور ان سے کہا کہ آپ کسی چیز کو بھی میرا شریک نہ ٹھہرائیے، اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے شرک و بت پرستی سے پاک رکھئے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو مسجد حرام کے قریب آنے سے روک دیا، ﴿ياأيها الذين اٰمنوا إنما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا﴾ (التوبۃ:۲۸) ”اے ایمان والو! بلاشبہ مشرکین

ناپاک ہوتے ہیں اس لیے اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔'' اسی وقت نبی ﷺ نے علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ کو حج کے موقع پر اعلان کرنے کے لیے بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرسکتا اور کوئی ننگا ہوکر بیت اللہ کا طواف نہیں کرسکتا، اور مشرک وہی ہے جو غیر اللہ کو حاجات کے لیے پکارتا ہے، خواہ بت ہو یا قبر یا نبی، ولی اور جنات اور انسان۔ اس بیت اللہ کی تعمیر توحید پر ہوئی ہے، اور مکہ ہی سے نبی توحید محمد ﷺ مبعوث کئے گئے، جس بیت اللہ کو ابراہیم اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہما السلام نے توحید پر تعمیر کیا تھا۔ لہذا مکہ کا سارے لوگوں کے لیے سرچشمۂ توحید باقی رہنا واجب ہے، چاہے وہ حج وعمرہ اور وہاں قیام کرنے والے یا ساری روئے زمین میں یہاں سے جانے والے ہوں۔

دور جاہلیت میں مشرکین جب اس بیت اللہ پر حاوی ہوئے تو اس پر تین سو ساٹھ بت نصب کردئے، صفا مروہ پر اساف اور نائلہ کو نصب کیا اور مکہ کے اردگرد لات، عزیٰ اور منات وغیرہ بت نصب کرڈالے، رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ فتح کیا تو ان بتوں کو توڑ کر جلا دیا اس وقت آپ یہ آیت پڑھ رہے تھے ﴿قل جاء الحق وزهق الباطل إن الباطل كان زهوقا﴾ (الاسراء:۸۱) ''اور آپ کہہ دیجئے کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل تو مٹنے کی چیز ہوتی ہے۔

اور آپ نے مکہ کے اردگرد نصب بتوں کو توڑنے کے لیے لوگوں کو بھیجا، اس طرح مکہ اور اس کا اردگرد بتوں سے پاک ہوگیا، اور مشرکین کو اس سے قریب آنے سے روک دیا گیا، اللہ نے جس طرح بیت اللہ کو شرک، مظاہر شرک اور اہل شرک سے پاک کردیا، اسی طرح نبی ﷺ نے وہ سارے وسائل حرام کردئے جو شرک تک لے جانے والے ہیں، جیسے آثار کی تعظیم جو ان گھروں کی تعظیم کی شکل میں پائی جاتی ہے جو رسول اللہ ﷺ، آپ کے اہل بیت، اور آپ کے صحابہ کی جانب منسوب ہیں، نہ آپ ﷺ نے ان کی حفاظت فرمائی نہ حفاظت کا حکم دیا، فتح مکہ کے موقع پر جب پوچھا گیا کہ کل آپ کہاں اتریں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر چھوڑا ہے، یہ عقیل بن أبی طالب آپ کے چچازاد ہیں، انھوں نے سب گھر بیچ ڈالا تھا، نبی ﷺ نے ان کے لوٹانے اور ان کی حفاظت کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ انھیں خریدنے اور بیچے جانے کے لیے چھوڑ دیا اور یہ کہ حسب ضرورت ان میں وہاں رہا جائے، اور ڈھانے کی ضرورت ہو تو سارے رہائشی گھروں کی طرح ان کو ڈھا دیا جائے۔ خصوصا مسجد حرام کی توسیع کے لیے جب ان کے ڈھانے کی ضرورت ہو، اس لیے ہمارے نزدیک مسلمانوں کے حکام کے لیے جائز ہے کہ اس مسجد کی توسیع کریں اور اردگرد کے گھروں کو حاجت کے مطابق بلا نکیر کے ڈھا دیں، کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ یہ مکہ کی تاریخ کو مٹانا ہے، اسی طرح نبی ﷺ بعثت کے بعد غار حرا اور غار ثور کو دیکھنے کے لیے ہجرت کے بعد نہیں جاتے تھے اور نہ آپ کے صحابہ ایسا کرتے تھے، اور نہ تو نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ مکہ کی کسی جگہ میں بقصد تعظیم وتبرک جاتے تھے، سوا مشاعر کے یعنی عرفات، مزدلفہ اور منیٰ، تاکہ حج کے وقت میں مشروع اعمال حج کو یہاں انجام دیں، یہ سب اسی لیے ہے تاکہ وسائل شرک کو ختم کردیا جائے، اور دین میں ایسی زیادتیوں سے منع کردیا جائے جسے اللہ نے مشروع نہیں کیا ہے، آج بھی مسلمانوں کے لیے وہی کافی ہے جو نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کے لیے کافی تھا، اور اس امت کے اخیر کی بھی اصلاح اسی سے ہوگی جس سے اول کی اصلاح ہوئی تھی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدي، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة'' تم لوگ میری سنت کو لازم پکڑے رہو اور میرے بعد خلفاء راشدین کی سنت کو بھی، انھیں خوب مضبوطی سے پکڑے رہو، اور دین میں نو ایجاد باتوں سے بچو اس لیے کہ ہر نو

ایجاد چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

مکہ مشرفہ کی تاریخ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیت اللہ الحرام کے ذکر سے محفوظ کردی ہے، فرمایا: ﴿إن أول بيت وضع للناس للذي ببكة مباركا وهدى للعالمين فيه اٰيات بينات مقام إبراهيم ومن دخله كان اٰمنا، ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا۔﴾ (اٰل عمران: ۹۶-۹۷) ''بے شک اللہ کا پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا وہ ہے جو مکہ میں ہے، اور تمام جہان والوں کے لیے باعث برکت وہدایت ہے، اس میں کئی کھلی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہو جاتا ہے امن میں آجاتا ہے، اور اللہ کی رضا کے لیے بیت اللہ کا حج کرنا ان لوگوں پر فرض ہے جو وہاں پہونچنے کی طاقت رکھتے ہوں۔ اور فرمایا: ﴿أولم نمكن لهم حرما آمنا يجبىٰ إليه ثمرات كل شيء﴾ (القصص: ۵۷) کیا ہم نے انہیں پر امن حرم میں رہنے کی جگہ نہیں دی جہاں ہر طرح کے پھل ہماری طرف سے روزی کے طور پر پہنچائے جاتے ہیں۔ اور فرمایا: ﴿أولم يروا انا جعلنا حرما اٰمنا ويتخطف الناس من حولهم﴾ (العنکبوت: ۶۷) ''کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم نے ان کے لیے ایک پر امن حرم بنایا ہے جب کہ لوگ ان کے اردگرد سے اچک لئے جاتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿رب اجعل هذا بلدا اٰمنا وارزق أهله من الثمرات﴾ (البقرۃ: ۱۲۶) ''اے میرے رب تو اس شہر کو پر امن بنادے، اور یہاں کے رہنے والوں کو مختلف قسم کے میوے عطا فرما۔ اور اپنے نبی محمد ﷺ سے فرمایا: ﴿إنما أمرت أن أعبد رب هذه البلدة الذي حرمها﴾ (النمل: ۹۱) ''مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرم بنادیا ہے۔ اور فرمایا: ﴿ إن الذين كفروا ويصدون عن سبيل الله والسمجد الحرام الذي جعلناه للناس سواء العاكف فيه والباد، ومن يرد فيه بإلحاد بظلم نذقه من عذاب أليم﴾ (الحج: ۲۵) ''بے شک جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی، اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، اور اس مسجد حرام سے روکتے ہیں جسے ہم نے تمام لوگوں کے لیے بنایا ہے، جس میں سکونت پذیر اور باہر سے آنے والے دونوں برابر ہیں اور جو کوئی اس میں اللہ کے حدود کو تجاوز کرتے ہوئے شرک و بدعت کی راہ اختیار کرے گا ہم اسے دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا: ''ان هذا البلد حرمه الله يوم خلق السموات والأرض فهو حرام بحرمة الله إلى يوم القيامة'' ''اس شہر کو اللہ نے اسی وقت حرمت والا قرار دیا جب آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا، لہٰذا وہ قیامت تک اللہ کی عطا کردہ حرمت سے حرمت والا ہے۔''

یہ شہر توحید اور سرچشمۂ اسلام ہے، ضروری ہے کہ ایسے ہی باقی رہے جیسے اللہ نے اسے پیدا کیا ہے، اور فتح مکہ کے وقت جس حال پر اللہ کے رسول ﷺ نے اسے چھوڑا، لوگوں کے بار بار لوٹ کر آنے کا مقام اور پر امن شہر، یہاں آنے والا عقیدۂ توحید اور سنت سیکھے اور شرک وبدعت چھوڑنے کی راہ اپنائے جس طرح دونوں خلیلوں ابراہیم اور محمد علیہما السلام نے اللہ کے حکم سے شرک اور اس کے ذرائع اور بدعات سے اسے پاک کیا تھا، مشرک اس کے قریب نہ پھٹکے، اور بدعتی یہاں نہ ٹھہرے، اور یہاں بیت اللہ الحرام اور مشاعر اور حدود حرم کے علاوہ کسی مقام کی تعظیم نہ کی جائے، یہ رسالت کا سرچشمہ، نزول وحی کا مقام، اور توحید وعبادت کا گھر، اور تمام گوشہ ہائے ارضی کے لیے صحیح عقیدہ کا منبع ہے، اللہ تعالیٰ یہاں کے باشندوں، اس کے حکام، علماء، مؤرخین، ذمہ داران، اور یہاں آنے والوں کو اس کی حفاظت، اور نفع بخش صالح علم، اور بصیرت کے ساتھ دعوت الی اللہ کی توفیق دے۔ وصلى الله على نبينا محمد واٰله و صحبه.☆☆

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی

آخری لمحات

(۲۴-۲۴)

مولانا اسعد اعظمی/ استاذ جامعہ سلفیہ

دارالحدیث رحمانیہ میں تعلیم کا آغاز شوال ۱۳۳۹ھ مطابق جولائی ۱۹۲۱ء میں ہوا، اس کے بعد سے مسلسل ۲۷/سال تک کتاب وسنت اور دیگر علوم دینیہ کی شاندار خدمت کا اسے شرف حاصل رہا، ادارہ اپنا ۲۷/واں تعلیمی سال مکمل کرکے قضا وقدر کے سامنے سر تسلیم خم کرگیا اور ہمیشہ ہمیش کے لیے خاموش ہوگیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

کہا جاتا ہے کہ ''ہر کمالے رازوال است''، یہ عظیم الشان مدرسہ اپنے پورے کمال اور آب وتاب کے ساتھ علم وعرفان کے موتی بکھیرنے میں مصروف تھا کہ اگست ۱۹۴۷ء میں ملک کی آزادی اور تقسیم کا واقعہ پیش آیا، ایک طرف ملک کو انگریزوں کی غلامی سے نجات کی نعمت حاصل ہوئی تو دوسری طرف تقسیم کے سانحہ سے بھی دوچار ہونا پڑا، اس سانحہ اور اس سے متعلقہ حادثات نے آزادی کی خوشیاں چھین لیں، بالخصوص مسلمانوں کے لیے یہاں سے آزمائش کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا جس کی تفصیلات بیان کی محتاج نہیں۔

دارالحدیث رحمانیہ میں حسب معمول شعبان ۱۳۶۶ھ مطابق اگست ۱۹۴۷ء میں ۲۷/ویں تعلیمی سال کا اختتام ہوا، اس سال مدرسہ سے فارغ ہونے والے خوش نصیبوں میں مولانا عبدالحکیم مجاز اعظمی مئوی رحمہ اللہ اور ان کے رفقائے درس تھے، شوال میں ۲۸/ویں تعلیمی سال کا آغاز تھا، مدرسہ کے ذمہ دار اعلیٰ مولانا نذیر احمد صاحب املوی رحمہ اللہ تشریف لا چکے تھے، شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی رحمہ اللہ اواخر شعبان میں شیخ خلیل عرب رحمہ اللہ کے ساتھ ایک جماعتی مقصد کو لے کر سعودی عرب کے سفر پر تھے، واپسی اوائل نومبر میں ہوئی، مولانا نذیر احمد صاحب کے علاوہ دیگر اساتذہ ابھی دہلی نہیں پہنچے تھے، ہندو مسلم فسادات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو چکا تھا جو دن بدن خطرناک صورت اختیار کرتا جارہا تھا، ۶/ستمبر ۱۹۴۷ء کو مدرسہ پر حملہ ہوا، مولانا نذیر احمد صاحب گرفتار کیے گئے اور قید وبند کی طویل مشقتوں کے بعد آپ کو رہائی نصیب ہوئی جس کی تفصیل بڑی دردناک اور تکلیف دہ ہے۔(۱)

مدرسہ کے مہتمم شیخ عبدالوہاب صاحب کو برابر دھمکیاں مل رہی تھیں، دہلی کے ناگفتہ بہ حالات کے پیش نظر آپ اپنے پورے خاندان سمیت کراچی ہجرت کرگئے، مدرسہ کی مملوکہ اشیا میں سب سے قیمتی اس کا کتب خانہ تھا، آپ نے اسے جامعہ ملیہ

(۱) اس تعلق سے محدث کے جون ۲۰۱۱ء کے شمارے میں کچھ تفصیلات بیان کی جا چکی ہیں۔

اسلامیہ کے حوالے کردیا، چنانچہ تمام کتابیں بحفاظت جامعہ منتقل ہوگئیں۔

مدرسہ چونکہ ابتدا ہی سے شخصی تھا جس کی کوئی کمیٹی نہیں تھی نہ جمعیت وجماعت کے تابع تھا، اس لیے مدرسہ کی عمارت کی حیثیت بھی قانون طور پر شخصی ہی کی تھی، جس کے مالکان کی ہجرت کے بعد حکومت کا اس پر قبضہ ہوگیا۔

شیخ عبدالوہاب دہلی سے جاتے وقت اپنے منشی عزیز احمد کو مولانا املوی وغیرہ کے مقدمہ کی پیروی پر مامور کر گئے تھے، مولانا کی رہائی کے سلسلے میں حاتم جماعت حافظ حمید اللہ دہلوی رحمہ اللہ کا رول بھی کافی اہم تھا، مولانا املوی خود لکھتے ہیں:

’’……حاجی عبدالوہاب صاحب مہتمم مدرسہ رحمانیہ خود تو مع متعلقین پاکستان چلے گئے، مگر مقدمات کی پیروی کے لیے ان کے منشی عزیز احمد کچہری میں موجود تھے، وہیں کچہری میں ہمیں معلوم ہوا کہ ہم لوگوں کو آج سے چار روز پیشتر حافظ حمید اللہ صاحب کی چالیس ہزار روپے کی ضمانت پر رہا ہو جانا چاہئے تھا…… یہ واقعہ جہاں ہمارے ساتھ حافظ صاحب کی پرخلوص محبت اور ہمدردی پر دلالت کرتا ہے وہاں ان کی زبردست جرأت ایمانی کا بھی پتہ دیتا ہے، یہ حافظ صاحب کا مجھ پر وہ احسان ہے جو میرے لیے ناقابل فراموش ہے……‘‘۔(۱)

مدرسہ بند کیے جانے اور اس کی عمارت کے حکومتی تحویل میں چلے جانے کے واقعہ کو ارباب قلم نے اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے جسے آگے ان ہی حضرات کے الفاظ میں نقل کردیا جائے گا، قارئین دیکھیں گے کہ بعض حضرات نے مدرسہ کے شخصی ہونے، اس کو وقف نہ کیے جانے یا جماعتی تحویل میں نہ دیے جانے پر حیرت وافسوس کا اظہار کیا ہے اور اسی چیز کو مدرسہ کے ضیاع کا سبب گردانا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مدارس دونوں طرح کے پائے جاتے رہے ہیں، شخصی بھی اور جماعتی یا عوامی بھی، دونوں طرح کے نظام کے فوائد بھی ہیں نقصانات بھی، لیکن واقعات بتلاتے ہیں اور تجربات شاہد ہیں کہ شخصی نظام میں اگر انسان مخلص ہے تو عوام کی بے جا مداخلت کے بغیر یکسوئی کے ساتھ بہتر ڈھنگ سے ادارے کو چلاتا ہے، دارالحدیث رحمانیہ کی روشن تاریخ قلم بند کرنے کے بعد راقم اسی نتیجہ پر پہنچا ہے کہ اس ادارے کو ممتاز کرنے اور تعلیم وتربیت کے باب میں مثال قائم کرنے کے پیچھے جو اسباب وعوامل کارفرما رہے ہیں ان میں سرفہرست ہر کس وناکس کی مداخلت سے اس کا محفوظ رہنا اور صرف ایک ذمہ دار کے ہاتھ میں اس کی باگ ڈور کا ہونا تھا، دوسرے عوامل کا نمبر اس کے بعد ہی آئے گا۔

رہا معاملہ اس کے وقف نہ کیے جانے کا تو وہ بھی مذکورہ سبب ہی سے متفرع ہوتا ہے، کسی جماعت یا تنظیم کے نام وقف کرنے کا مطلب اس کی شخصی حیثیت کا خاتمہ تھا، جو بانیان کو منظور نہ تھا، اب یہ کہ وقف نہ رہنے کی وجہ سے وہ حکومت کے ہاتھ

(۱) تراجم علمائے اہل حدیث میوات، از حکیم محمد اسرائیل سلفی، ص:۵۸-۵۹ (حاشیہ) بحوالہ اخبار اہل حدیث دہلی ج:۱، نمبر:۳، ص:۶۔

میں چلا گیا تو مستقبل کی بات کون جانتا ہے، اگر ایسا ہی رہتا تو کسی بھی فرد یا جماعت کو کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا، اس لیے ہمیں اب ان سب بحثوں میں نہ پڑ کر صرف اور صرف اسی معیار کی مثالی درسگاہ دوبارہ قائم کر کے دنیا کے سامنے دارالحدیث رحمانیہ کی یاد تازہ کر دینی چاہئے اور تعلیم وتربیت کے روبزوال نظام کو پھر سے پٹری پر لے آنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اللہ کے فضل سے جماعت میں سیکڑوں عطاء الرحمٰن اور عبدالوہاب موجود ہیں جو اس تاریخ کو دہرانے کی صلاحیت اور استطاعت رکھتے ہیں۔

واضح رہے کہ ۱۹۳۴ء میں اخبار محمدی دہلی اور اخبار اہل حدیث امرتسر وغیرہ میں دارالحدیث رحمانیہ کو اہل حدیث کانفرنس کے ماتحت کرنے اور نہ کرنے کو لے کر بحث چل پڑی تھی، مدرسہ کی طرف سے اس ضمن میں ایک تفصیلی تحریر شائع کی گئی جس میں اسے شخصی رکھنے کی حکمت اور کانفرنس کے ماتحت کرنے کی مضرات پر روشنی ڈالی گئی۔(۱)

اب سطور ذیل میں ان اہل علم وفضل کے بیانات وتاثرات بعینہ نقل کیے جاتے ہیں جنہوں نے مدرسہ کے بند کیے جانے کے واقعہ کی تفصیلات ذکر کی ہیں، آخر میں مدرسہ کی طرف سے دی جانے والی سند کا عکس بھی دیا جا رہا ہے، اسی کے ساتھ دارالحدیث رحمانیہ کی تاریخ وتعارف کا یہ طویل سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچے گا۔ اس سلسلے کی تمام قسطوں پر نظر ثانی کے بعد اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے تو جماعتی مدارس کی تاریخ کے باب میں غیر معیاری سہی ایک اضافہ ہوگا، والله من وراء القصد وهو الهادي إلى سواء السبيل.

مولانا حکیم عبدالکریم قریشی لکھتے ہیں:

’’اگرچہ بانی مدرسہ کی نیت وقف ہی کی تھی، اس سے فائدہ بھی قوم وملت ہی کو پہنچ رہا تھا، ہند کے ہر صوبہ وہر ریاست سے تشنہ کامان علم وحکمت ودلدادگان شاہد قرآن وسنت جوق در جوق اس سرچشمۂ علوم قرآن وسنت پر وارد ہو رہے تھے، اور اپنے اپنے ذوق وشوق کی طاقت ووسعت کے مطابق سیراب وفیضیاب ہو رہے تھے، اگرچہ بانی مدرسہ نے اس گلستان علوم وفنون کی آبیاری وسیرابی کے لیے نہ صرف اپنے تمول وزر وجواہر کے سوتے جاری کر دیے تھے بلکہ عملی طور پر اپنے وجود کو بھی اس لیلائے تہذیب وعلم پر مجنونانہ نثار وفدا کر دیا تھا اور شب وروز اس ایوان تعلیم وتدریس کو کعبۂ مقصود وعطائے معبود سمجھ کر اس کے باب الداخلہ پر دربان بنے بیٹھے رہتے تھے، صرف بعد مغرب گھر جاتے، اور صبح کی نماز اکثر وبیشتر مدرسہ ہی کی مسجد میں ادا کرتے، بلکہ اذان سے بھی پہلے اکثر آجایا کرتے تھے اور ہاتھ میں چھ سیل کا ٹارچ لیے کمرہ بہ کمرہ پہنچ کر طلبہ کو بیدار کرتے تھے،

(۱) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: (۱) اخبار محمدی، دہلی: یکم اگست ۱۹۳۴ء، ۱۵/اگست ۱۹۳۴ء، یکم ستمبر ۱۹۳۴ء، یکم اکتوبر ۱۹۳۴ء، اور ان ہی تواریخ کے آس پاس کے اہل حدیث امرتسر کے شمارے۔

یہ سب کچھ تھا مگر ایک معمولی سی فروگذاشت، ایک ادنی سی نا قابل توجہ والتفات لغزش کا شرارہ غفلت ولاعلمی کی خاکستر میں دبا اور چھپا ہوا رہ گیا تھا جو تقسیم ہند کے نتیجے میں شرارے سے شعلہ، شعلے سے نار نمرود کی طرح ملتہب ہوکر اس سارے کارخانہ علم وحکمت اور شاہکار علم پروری وخدمت گزاری کو آن کی آن میں جلا کر خاک سیاہ کرگیا، وہ کتاب وسنت کا لہلہاتا ہوا گلزار، وہ قال اللہ وقال رسول اللہ کے سامعہ نواز نغمے، وہ اساتذہ وتلامذہ کے بصارت افزا اجتماعات اور علماء وطلبہ کے بصیرت بخش علمی وفنی اشکالات وجوابات ایک طلسم ہوش ربا وفسانہ دل گداز بن کر رہ گئے۔

آہ فآہ! امت مرحومہ کی علمی امیدوں اور آرزوؤں کی آماجگاہ، مستقبل کے شاندار علمی وفنی نتائج کی امیدگاہ اور ہند میں کتاب وسنت کی ترویج واشاعت کا منبع ومرکز آج کفر وشرک کی جائے پناہ بنا ہوا ہے۔

اگر کوئی صاحب دل ہے اور دل میں احساس اور تاثیر رکھتا ہے تو رحمانیہ کے در ودیوار سے یہ صدا بلند ہوتی ہوئی سن لے:

كأن لم يكن بين الحجون إلى الصفا　　　أنيس ولم يسمر بمكة سامر

بلى نحن كنا أهلها فأبادنا　　　صروف الليالي والخطوب الزواجر

وہ غیر محسوس غلطی، وہ اندوہناک فروگذاشت یہ تھی کہ اس پورے کارخانہ علم وحکمت کو وقف نہیں کیا گیا تھا، لہذا یہ شخصی جائیداد قرار دے دی گئی اور اس کے مالک، بانی، مہتمم یا کرتا دھرتا جو کچھ تھے وہ کراچی سدھار گئے، لہذا پورا مدرسہ اور اس سے متعلقہ املاک واثاثہ شخصی تھا، جب مالک رفیوجی بن کر کراچی سدھار گئے تو یہ تمام متروکہ اثاثہ متروکہ پراپرٹی بن گیا جس پر از روئے قانون کسٹوڈین کا قبضہ وتسلط ہوگیا اور اب اس میں ایک اسکول کھلا ہے اور کچھ خاندان آباد ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا''۔(۱)

مولانا عبدالرؤف رحمانی لکھتے ہیں:

''یہ مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی چونکہ شیخ عبدالرحمٰن وشیخ عطاء الرحمٰن صاحبان کا ذاتی تھا وہ اپنی آمدنی سے چلاتے تھے، اس ہوش ربا عالم میں شیخ عبدالوہاب صاحب کو خیال نہ رہا، اس کو آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے سپرد کردیں۔ (میرے استاد محترم علامہ نذیر احمد رحمانی اس وقت مدرسہ کے صدر مدرس تھے، اسی اثنا میں تقسیم کا حادثہ پیش آگیا اور مدرسہ رحمانیہ کے لٹ جانے اور علامہ نذیر احمد رحمانی کے پکڑے جانے کا حادثہ پیش آگیا، اس وقت حاجی عبدالوہاب نے مدرسہ رحمانیہ کو جامعہ ملیہ کے حوالہ کردیا- حاشیہ)

(۱) مجلہ اہل حدیث ہریانہ، ۲۱رمئی ۱۹۷۹ء ص:۹۔

افسوس اب یہ مدرسہ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چلا گیا جنہوں نے اسے ناچ گھر بنا دیا اور وہاں ناچنے گانے کی تعلیم دی جاتی ہے، بہت ہی حسرت وافسوس کے ساتھ یہ شعر عرض کرتا ہوں:

چہ نسبت است برندی صلاح تقوی را سماع وعظ کجا نغمہ رباب کجا

یا بالفاظ اقبال:

اڑالی قمریوں نے ،طوطیوں نے ،عندلیبوں نے چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغاں میری

اس سے معلوم ہوا کہ جو مدرسے ذاتی طور پر چلائے جاتے ہیں ان کی جماعتی حیثیت نہیں رہ جاتی، ان کے ضائع ہونے کا ہمیشہ غم رہے گا اور ہمیشہ اس کا ماتم کیا جائے گا......''۔(۱)

مولانا عبدالغفار حسن لکھتے ہیں:

''...... یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء کی شورش میں دارالحدیث رحمانیہ پر غنڈوں کا حملہ ہوا اور یہ علمی آستانہ اجڑ گیا، حاجی عبدالوہاب صاحب خلف الرشید شیخ عطاء الرحمٰن صاحب نے دارالحدیث کے کتب خانے کو محفوظ رکھنے کے لیے اس بحران کی حالت میں یہی مناسب سمجھا کہ سارا کتب خانہ کسی نہ کسی طرح جامعہ ملیہ منتقل کر دیا جائے۔ اب سنا ہے کہ دارالحدیث رحمانیہ کی عمارت میں قال اللہ اور قال الرسول کی بجائے ہائی اسکول کے مضامین پڑھائے جاتے ہیں جن کی زیادہ تر تعلیم ہندی میں ہوتی ہے،اناللہ وانا الیہ راجعون''۔(۲)

جناب فاروق اعظمی صاحب مدرسہ کے بند کیے جانے کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''...... یہ ادارہ پوری آن بان اور شان سے چلتا رہا، یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم کا حادثہ پیش آ گیا اور دلی میں بھیانک فسادات پھوٹ پڑے، مدرسہ کی عمارت فرقہ پرستوں کی نظر میں خار بن کر کھٹکنے لگی، لہذا مہتمم مدرسہ کو دھمکی آمیز فون پر فون موصول ہونے شروع ہوئے کہ مدرسہ خالی کر دیا جائے ورنہ اسے نذر آتش کر دیا جائے گا اور بم سے اڑا دیا جائے گا، کچھ ایسے ناگزیر حالات پیدا ہوئے کہ مدرسہ بند کرنا پڑا اور اس کے چلانے والے کراچی منتقل ہو گئے، یہ ایسا دلدوز حادثہ تھا جس پر جتنا بھی ماتم کیا جائے کم ہے......''۔

آگے لکھتے ہیں:

''مگر جن حالات میں مدرسہ کو بند کرنا پڑا اس کے تذکرہ سے کلیجہ منہ کو آتا ہے، مدرسہ کی عمارتیں آج بھی اپنے ماضی کی

(۱) ماہنامہ محدث، بنارس، اگست ۱۹۹۲ء ص: ۱۸۔

(۲) الاعتصام لاہور، ۴ر نومبر ۱۹۹۴ء ص: ۲۱۔

شان وشوکت پر آنسو بہارہی ہیں اور عہد رفتہ کی داستانیں سنانے کے لیے کھڑی ہیں، جہاں صبح وشام قال اللہ، قال الرسول کی ایمان افروز صدائیں بلند ہوا کرتی تھیں، اب وہاں جن من گن کا قومی ترانہ گایا جاتا ہے، اب یہاں کچھ سرکاری قسم کے آفس اور اسکول چل رہے ہیں، یقیناً اس ادارہ کے در ودیوار ان نفوس قدسیہ کو یاد کررہے ہوں گے جنہوں نے اپنے خون پسینہ سے اس خاک کو زندگی اور رعنائی عطا کی تھی اور جن کے دم قدم سے اس کے حسن کی عظمت میں چار چاند لگے تھے، انقلاب زمانہ کے ہاتھوں اب سب کچھ مٹ چکا ہے چند یادگاریں اور یادیں باقی ہیں‘‘۔(۱)

والد محترم مولانا محمد صاحب اعظمی لکھتے ہیں:

’’صد افسوس جماعت اہلحدیث کا یہ عظیم ادارہ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے فساد کی نذر ہوگیا اور اس وقت سے جامعہ ملیہ کی تحویل میں شفیق میموریل ہائی اسکول میں تبدیل ہوگیا‘‘۔(۲)

مولانا عبدالحمید رحمانی فرماتے ہیں:

’’اسی کشمکش میں ملک تقسیم ہوگیا، دارالحدیث رحمانیہ کے بانی پاکستان چلے گئے، اس کا عظیم الشان کتب خانہ جامعہ ملیہ کو سونپ دیا گیا، کشمیری گیٹ پر چند دوکانیں رہ گئیں جو دارالحدیث رحمانیہ پر وقف تھیں، بعد میں یہی دوکانیں دارالحدیث رحمانیہ کی عمارت کو کسٹوڈین سے بچانے کا سبب بنیں، دارالحدیث کا کوئی وقف نامہ نہیں تھا، اس کی حیثیت بانیان کی وراثت کی تھی، اس لیے اسے کسٹوڈین نے قبضہ میں لے لیا تھا، لیکن انہیں دوکانوں کا وقف نامہ اسے کسٹوڈین سے نجات دلانے میں معاون ثابت ہوا، کیونکہ موقوف علیہ قانونی طور پر وقف کے حکم میں ہوتا ہے، مقدمہ جیتنے اور کسٹوڈین سے آزاد کرانے کے بعد بھی دہلی کی جماعت اہلحدیث کی غفلت سے اس میں شفیق میموریل اسکول بن گیا اور جماعت اپنی یونیورسٹی کی عمارت سے محروم ہوگئی‘‘۔(۳)

اور یادگار مجلّہ اہل حدیث میں ہے:

’’...... مدرسہ کی عالیشان عمارت اور مسجد آج بھی باڑا ہندوراو میں پہلے ہی کی طرح پوری آن بان شان کے ساتھ موجود ہے جس میں دہلی اسٹیٹ کے اس زمانہ کے وزیر تعلیم جناب شفیق الرحمٰن قدوائی کے نام پر شفیق میموریل انٹر کالج چل رہا ہے۔ اب یہ عمارت گورنمنٹ آف دہلی کی کسٹڈی میں ہے۔ "کل من علیها فان ویبقی وجه ربك ذو الجلال والاکرام". (۴)

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين. ☆

---

(۱) ماہنامہ محدث بنارس، اکتوبر ۱۹۸۴ء، ص: ۲۲-۲۳۔ (۲) ماہنامہ محدث بنارس، جنوری ۲۰۰۸ء، ص: ۱۷۔

(۳) ماہنامہ التبیان، دہلی، جنوری ۲۰۱۲ء، ص: ۱۱، مضمون: مولانا عبدالحمید رحمانی، بعنوان: مولانا مجاز اعظمی رحمانی رحمہ اللہ، قسط اول۔

(۴) یادگار مجلّہ اہل حدیث، ص: ۳۰۱-۳۰۲۔

not found.

فضائل قربانی کی احادیث

کا ایک علمی جائزہ

غازی عزیر

عیدالاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرنا رسول کریم ﷺ کی سنت ثابتہ ہے، لہذا اس کی فضیلت میں کسی قسم کا شبہ لاحق نہیں ہونا چاہئے، البتہ علمی اعتبار سے فضیلت قربانی کے بارے میں وارد احادیث کا تجزیہ تحقیقی ذوق رکھنے والوں کے لیے اہمیت رکھتا ہے، تاکہ ان حدیثوں کی صحت یا ضعف کے سلسلہ میں خصوصا علماء علی وجہ البصیرۃ ہوں، اس مقصد کے پیش نظر محترم غازی عزیر صاحب کی یہ تحریر ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

حدیث نمبر ۱

اس باب کی پہلی اور سب سے زیادہ مشہور حدیث پیش خدمت ہے:

ما عمل آدمي من عمل يوم النحر أحب إلى الله من إهراق الدم إنه ليأتي يوم القيامة بقرونها وأشعارها وأظلافها وان الدم ليقع من الله بمكان قبل أن يقع من الأرض فطيبوا بها نفسا"۔

''عید قرباں کے دن کسی آدمی کا کوئی عمل اللہ کو خون بہانے سے زیادہ پیارا نہیں۔ یادرکھو قیامت کے دن قربانی کا جانور اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں سمیت آئے گا اور خون زمین پر گرنے سے قبل اللہ تعالی کے یہاں درجۂ قبولیت حاصل کرلیتا ہے، لہذا قربانیاں خوشی خوشی کیا کرو''۔

اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے اپنی ''جامع'' (۱) کے باب ''ماجاء فی فضل الاضحیۃ'' میں امام ابن ماجہؒ نے اپنی سنن (۲) میں، امام حاکمؒ نے ''مستدرک علی الصحیحین'' (۳) میں، اور امام بغویؒ نے ''شرح السنۃ'' (۴) میں بطریق عبداللہ بن نافع الصائغ عن ابی المثنی (سلیمان بن یزید) عن ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشۃ مرفوعا بہ روایت کیا ہے۔ امام ترمذیؒ اس کی تحسین فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں: "وهذا حديث غريب لا نعرفه من حديث هشام بن عروة الا من هذا الوجه" اور امام حاکمؒ کا قول ہے کہ یہ ''صحیح الاسناد'' ہے، علامہ عبدالرحمٰن مبارکپوریؒ امام ترمذیؒ کے قول "وهذا حديث حسن غريب" کی شرح میں امام حاکمؒ کا قول نقل فرماتے ہیں۔ (۵)

امام ابن تیمیہؒ نے اس حدیث کو اپنی مشہور کتاب ''منتقی الاخبار'' کے باب ''الحث علی الاضحیۃ'' میں بحوالہ ابن ماجہ

(۱) جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج نمبر ۲ ص ۳۵۲۔ (۲) سنن ابن ماجہ ص ۲۲۶۔

(۳) مستدرک للحاکم ج نمبر ۴ ص ۲۲۱-۲۲۲۔ (۴) شرح السنۃ للبغوی ج ۱ ص ۱۲۹۔

(۵) تحفۃ الاحوذی للمبارکپوری ج ۲ ص ۳۵۳۔

وترمذیؒ (۱) اورامام ابن قدامہ المقدمیؒ نے اپنی کتاب ''المغنی'' میں بحوالہ ابن ماجہ (۲) تائیداً نقل کیا ہے، مگر امام ابن حبانؒ نے اسے اپنی کتاب ''المجروحین'' (۳) میں، امام ذہبیؒ نے اپنی کتاب ''میزان الاعتدال فی نقد الرجال'' (۴) میں اور امام ابن الجوزیؒ نے اپنی کتاب ''العلل المتناھیۃ فی الاحادیث الواھیۃ'' (۵) میں وارد کیا ہے، اور فرماتے ہیں: ''یہ حدیث صحیح نہیں ہے''۔ یحییٰ کا قول ہے کہ عبداللہ بن نافع کچھ بھی نہیں ہے، امام نسائیؒ نے اسے متروک اور امام بخاریؒ نے منکر الحدیث بتایا ہے، امام ابن حبانؒ کا قول ہے کہ ''اس کی اخبار کے ساتھ احتجاج نہیں ہے''، علامہ مناویؒ نے ''فیض القدیر'' (۶) میں، امام ابن الجوزیؒ کی ہی اتباع کی ہے مگر حق بات یہ ہے کہ اس حدیث کے متعلق جتنی امام ترمذیؒ کی تحسین اور امام حاکمؒ کی تصحیح غلط ہے، امام ابن الجوزی ومناوی رحمہما اللہ کی مذکورہ علت بھی اس سے کچھ کم غلط نہیں ہے، کیونکہ موخر الذکر ہر دو حضرات کو حدیث کے راوی عبداللہ بن نافع کے بارے میں وہم ہوا ہے، جارحین کے اقوال جو آں رحمہما اللہ نے نقل فرمائے ہیں وہ عبداللہ بن نافع ابوبکر المدنی کے بارے میں وارد ہیں نہ کہ عبداللہ بن نافع الصائغ مولی بنی مخزوم ا(جو کہ اصلاً اس سند کا راوی ہے) کے بارے میں۔

عبداللہ بن نافع الصائغ سے امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں روایت لی ہے، ابن معین، نسائی، عجلی، خلیلی، ابن حبان، ذہبی اور ابن حجر عسقلانی رحمہم اللہ نے اس کی ثقاہت بیان کی ہے، امام احمدؒ کا قول ہے: "لم یکن في الحدیث بذاك" ابوزرعہؒ فرماتے ہیں: ''اس میں کوئی حرج نہیں ہے''، آں رحمہ اللہ کا ایک دوسرا قول ہے کہ ''ثقہ ہے''، امام نسائیؒ نے بھی ایک مرتبہ اس کو "لیس به بأس" بتایا ہے۔ ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ ''مالکؒ سے روایت کرتا ہے اور اپنی روایت میں مستقیم الحدیث ہے''، امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ ''اس پر محدثین اعتبار کرتے ہیں''، ابن قانعؒ کا قول ہے کہ ''صالح ہے''، ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ''ثقہ صحیح الکتاب ہے''، مگر اس کے حفظ میں لچک ہے''، امام بخاریؒ کا قول ہے: "في حفظه شيء" امام ابوحاتم الرازیؒ فرماتے ہیں: ''وہ حفظ حدیث میں لچک والا ہے اور اس کی کتاب اصح ہے''، علامہ طاہر پٹنی گجراتی فرماتے ہیں: ''مجھے علم نہیں کہ کسی نے اس کو مطعون کیا ہے''۔ (۷)

زیر مطالعہ حدیث کے ضعف کی علت سلیمان بن یزید ابوالمثنی راوی ہے جیسا کہ امام ذہبیؒ نے ''تلخیص المستدرک''

---

(۱) منتقی الاخبار لابن تیمیہ مترجم ج۱ص۱۰۴۰۔ (۲) مغنی لابن قدامہ ج۸ص۶۱۸۔
(۳) مجروحین لابن حبان ج۳ص۱۵۱۔ (۴) میزان الاعتدال للذھبی ج۴ص۵۶۹۔
(۵) علل المتناھیۃ لابن الجوزی ج۲ص۷۹۔ (۶) فیض القدیر للمناوی ج۵ص۴۵۸۔
(۷) میزان الاعتدال للذھبی ج۲ص۵۱۳، معرکۃ الرواۃ للذھبی ص۱۳، معرفۃ الثقات للعجلی ج۲ص۶۴، تقریب التہذیب لابن حجر ج۱ص۴۵۶، تہذیب التہذیب لابن حجر ج۶ص۵۲، ضعفاء الکبیر للعقیلی ج۲ص۳۱۱، من کلام ابن معین فی الرجال ص۱۱۶، قانون الضعفاء للفتنی ص۲۷۴، تحفۃ الاحوذی للمبارکپوری ج۱ص۳۷۶ ج۲ص۳۵۲، نصب الرایۃ للزیلعی ج۳ص۱۰۱۔

میں امام حاکمؒ کی تصحیح پر تعقباً تحریر فرمایا ہے کہ ''میں کہتا ہوں سلیمان راوی ''واہٍ'' ہے۔بعض ائمہ نے اس کو ترک کیا ہے۔امام منذریؒ نے بھی ''ترغیب'' میں اس پر تعقب کرتے ہوئے لکھا ہے: ''تمام مخرجین اس کو ابومثنی کے طریق سے روایت کرتے ہیں اور وہ واہ ہے،اگرچہ بعض نے اس کی توثیق بھی کی ہے''۔(۱)

سلیمان بن یزید ابومثنی کے متعلق علامہ بغویؒ فرماتے ہیں: ''ابوحاتم'' نے اس کی بہت زیادہ تضعیف کی ہے''،امام ابن حبانؒ کا قول ہے: ''اس کے ساتھ احتجاج جائز نہیں ہے''،امام ذہبیؒ اور ابن الجوزیؒ بیان کرتے ہیں کہ ''ابوحاتم الرازیؒ نے ابومثنی کو منکر الحدیث اور غیر قوی بتایا ہے''،امام ابن حجر عسقلانیؒ کا قول ہے کہ ''طبقہ ششم کا ضعیف راوی ہے''۔(۲)

لہذا یہ حدیث سند میں عبداللہ بن نافع الصائغ کی موجودگی کے باعث نہیں بلکہ ابومثنی سلیمان بن یزید الکوفی الکعبی کی بدولت ''ضعیف'' ہے،محدث عصر علامہ شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے بھی ''سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ'' میں اس حدیث کو وارد کرکے اس پر ''ضعیف''(۳) ہونے کا حکم لگایا ہے۔

دوسری حدیث

اس باب کی دوسری مشہور حدیث یہ ہے:

"ما عمل آدمي في هذا اليوم أفضل من دم يهراق إلا أن تكون رحما توصل".

''اس دن کسی آدمی کا کوئی عمل قربانی سے افضل نہیں ہے سوائے اس کے کہ رشتہ داری کا پاس کیا جائے''۔

اس حدیث کو امام طبرانیؒ نے ''معجم الکبیر''(۲۵) میں بطریق حسن بن یحیٰ الخشنی عن اسماعیل بن عیاش عن لیث بن ابی سلیم عن طاؤس عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ فی یوم الاضحیٰ (فذکرہ) روایت کیا ہے۔مگر اس کے ضعف کی جانب اشارہ فرماتے ہوئے علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں:

''اس کو طبرانیؒ نے کبیر میں روایت کیا ہے لیکن اس کی سند میں یحیٰ بن حسن الخشنی ہے جو کہ ضعیف ہے،ایک جماعت نے اس کی توثیق بھی کی ہے''۔(۴)

اور علامہ منذری فرماتے ہیں:

''طبرانیؒ نے اسے کبیر میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے مگر اس کی سند میں یحیٰ بن الحسن الخشنی ہے جس کا

(۱) ترغیب المنذری ج۲ص۱۰۱۔

(۲) میزان الاعتدال للذھبی ج۲ص۲۲۸،تقریب التہذیب لابن حجر ج۲ص۳۶۹،تہذیب التہذیب لابن حجر ج۱۲ص۲۲۱،الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ج۲ص۲۵،قانون الضعفاء للفتنی ص۲۶۱،تحفۃ الاحوذی للمبارکپوری ج۲ص۳۵۲۔

(۳) سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ج۲ص۱۴۔ (۲۵) معجم الکبیر للطبرانی ج۳ص۱۰۴۔

(۴) مجمع الزوائد للہیثمی ج۴ص۱۸۔

حال میرے سامنے نہیں ہے''۔(۱)

یحییٰ بن الحسن الخشنی جس کی طرف علامہ ہیثمی وعلامہ منذری رحمہما اللہ نے اشارہ فرمایا ہے، کا ترجمہ باوجود تلاش بسیار کے راقم کو کہیں نہ مل سکا، البتہ علامہ سمعانی ؒ نے حسن بن یحییٰ الخشنی کے متعلق علماء کا اختلاف نقل کیا ہے۔ اصل ''معجم الکبیر'' میں بھی حسن بن یحییٰ ہی مذکور ہے۔ نہ معلوم کس طرح علامہ ہیثمی ومنذری رحمہما اللہ کو اس راوی کے نام کے بارے میں وہم ہوا ہے۔

حسن بن یحییٰ الخشنی الدمشقی البلاطی ''تہذیب'' کے رجال میں سے ہے، ابن معین ؒ کا قول ہے کہ '' کچھ بھی نہیں''، نسائی ؒ فرماتے ہیں: ''ثقہ نہیں ہے''، دارقطنی ؒ نے اسے ''متروک'' قرار دیا ہے، دحیم ؒ کا قول ہے کہ ''اس میں کوئی حرج نہیں''، یحییٰ ؒ نے ایک مرتبہ ''ثقہ'' اور دوسری مرتبہ ''غیر ثقہ'' کہا ہے، ابن عدی کا قول ہے: "تحتمل روایاته" ابوحاتم فرماتے ہیں: ''صدوق مگر برے حافظہ والا تھا''، ابن حبان ؒ فرماتے ہیں: ''بہت زیادہ منکر الحدیث تھا، ثقات کی طرف سے بے اصل اور متقدمین کی طرف سے غیر متابع روایات بیان کرتا تھا''، علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ''طبقہ ہشتم کا صدوق مگر کثیر الغلط راوی ہے''۔(۲)

حسن بن یحییٰ الخشنی کے علاوہ اس حدیث کی اسناد میں سے اسماعیل بن عیاش اور لیث بن ابی سلیم کا شمار بھی ضعیف راویوں میں ہوتا ہے۔

اسماعیل بن عیاش کو ابوحاتم ؒ نے ''لین'' یعنی لچک والا بتایا ہے، دارقطنی، بیہقی ابن دقیق العید ؒ، نسائی ؒ اور منذری ؒ وغیرہ نے ابن عیاش کو ضعیف قرار دیا ہے، مگر ابن معین ؒ نے اس کی توثیق کی ہے، ابن حبان ؒ نے ایک طرف تو ابن عیاش کو اپنی کتاب ''الثقات'' میں وارد کیا ہے، مگر دوسری طرف اپنی دوسری کتاب ''المجروحین'' میں فرماتے ہیں: ''اس کی حدیث میں بہت خطا ہوتی ہے''، امام بخاری ؒ بیان فرماتے ہیں: ''اپنے شہر والوں سے روایت کرنے میں صدوق مگر دوسروں سے روایت کرنے میں مخلط ہے''، امام احمد ؒ کا قول ہے: ''اسماعیل تمام ضرب سے روایت کرتا ہے''، علامہ شوکانی ؒ فرماتے ہیں: ''اسماعیل بن عیاش مقبول ہے کیونکہ جمہور کے نزدیک اس کی وہ روایت جو وہ شامیوں سے بیان کرتا ہے قوی ہوتی ہیں''، امام ابن الجوزی ؒ فرماتے ہیں: ''جب اسماعیل عمر دراز ہوا تو اس کے حافظہ میں تغیر آ گیا تھا، اس لیے وہ اپنی حدیثوں میں بکثرت

(۱) الترغیب والترھیب للمنذری ج۲ص۱۰۲۔

(۲) تاریخ یحییٰ بن معین ج۴ص۴۶۷،۴۶۷، تاریخ الکبیر للبخاری: ۲/۱،ص۳۰۹، ضعفاء الکبیر للعقیلی ج۱ص۲۴۴، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج۱ص۴۴، مجروحین لابن حبان ج۱ص۲۳۵، کامل فی العضفاء لابن عدی ج۲ ترجمہ ۷۳۶، الضعفاء والمتروکون للنسائی ترجمہ نمبر۱۵۰، الضعفاء والمتروکون للدارقطنی ترجمہ نمبر۱۹۰، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ج۱ص۲۱۰، میزان الاعتدال للذھبی ج۱ص۵۲۴-۵۲۵، مغنی فی الضعفاء للذھبی ج۱ص۱۶۸، تہذیب التہذیب لابن حجر ج۲ص۳۲۶، تقریب التہذیب لابن حجر ج۱ص۱۷۲، قانون الضعفاء للفتنی ص۲۵۰، تنزیہ الشریعۃ لابن عراق ج۱ص۵۱، مجمع الزوائد للہیثمی ج۱ص۲۴۹ ج۲ص۷۔

خطا کرتا اور اسے اس کا قطعاً علم نہ ہوتا تھا''۔(۱)

اب اسی سند کے تیسرے ضعیف راوی لیث بن ابی سلیم کے حالات کا بھی ایک مختصر جائزہ لیں۔امام احمدؒ فرماتے ہیں: ''مضطرب الحدیث'' ہے، یحییٰؒ ونسائیؒ نے اسے ''ضعیف'' بتایا ہے، ابن معینؒ کا قول ہے کہ ''اس میں کوئی حرج نہیں ہے''، عجلیؒ کا ایک قول بھی یہی ہے، آں رحمہ اللہ کے دوسرے قول کے مطابق لیث ''جائز الحدیث ہے''، امام بیہقی فرماتے ہیں: ''محدثین کے نزدیک ضعیف ہے''، امام بیہقیؒ نے اس کی بہت سی روایات کو معلول کہا ہے، ابن قطانؒ کا قول ہے: ''فیہ مقال''، ابن سعدؒ فرماتے ہیں: ''صالح شخص تھا مگر ضعیف الحدیث تھا''۔

ثقات میں سے شعبہ اور ثوری رحمہما اللہ نے اس سے روایت کی ہے، امام مسلمؒ نے بھی متابعات میں اس سے تخریج کی ہے، مگر امام ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں ''ضعیف اور سئی الحفظ ہے اس کے باوجود اس کی حدیث پر اعتبار واستشہاد کیا جاتا ہے''، آں رحمہ اللہ ہی اپنی دوسری کتاب ''تقریب'' میں فرماتے ہیں: ''صدوق ہے''، آخر عمر میں اختلاط کرتا تھا، اور اپنی حدیث میں تمیز نہ کر پاتا تھا، پس متروک ہے''، خلاصہ میں ہے کہ ''فضیل بن عیاض کہتے ہیں کہ اہل علم میں سے ہے''، ابن حبانؒ فرماتے ہیں: ''آخر عمر میں اختلاط کا شکار تھا، اسانید گھڑتا تھا، مراسیل کو مرفوع کرتا اور ثقات کی طرف سے ایسی روایات لاتا جو ان کی احادیث میں سے نہیں ہوتی تھیں۔عبدالحق فرماتے ہیں: ''ضعیف الحدیث ہے''، علامہ زیلعی حنفیؒ بیان کرتے ہیں: ''مستضعف، متکلم فیہ، ضعیف اور فیہ مقال ہے''، علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ فرماتے ہیں: ''یحییٰ القطانؒ ابن مہدیؒ، ابن معینؒ اور احمد بن حنبل نے اس کو ترک کیا ہے''، اور امام نوویؒ ''تہذیب الاسماء'' میں فرماتے ہیں: ''علماء کا اس کے ضعف پر اتفاق ہے''۔(۲)

---

(۱) تاریخ یحییٰ بن معین ج ۴ص ۴۱۲، ۴۳۳، ۴۵۷، تاریخ الکبیر للبخاری ج نمبر ا ص ۳۶۹، ۳۷۰، ضعفاء الکبیر للعقیلی ج ا ص ۸۸، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج ۲ص ۱۹۱، کامل فی الضعفاء لابن عدی ج ا، ص ۲۸۸، میزان الاعتدال للذھبی ج ا ص ۲۴۰-۲۴۴، الضعفاء والمتروکون للنسائی ترجمہ نمبر ۳۴، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ج ا ص ۱۱۸، قانون الضعفاء للفتنی ص ۲۴۱، معرفۃ الرواۃ للذھبی ص ۷۰، کنی دولابی ج نمبر ۲ص ۲۵، سوالات السجزی للحاکم ص ۹، سوالات ابن ابی شیبہ لعلی المدینی ص ۱۶۱، تغلیق التعلیق لابن حجر ج نمبر ا ص ۲۶۶، تقریب التہذیب لابن حجر ج ا ص ۳۷، تہذیب التہذیب لابن حجر ج ا ص ۳۲۱-۳۲۶، تعریف اہل التقدیس لابن حجر ص ۸۲، مجروحین لابن حبان ج ا ص ۱۲۴، الاعتبار للحازمی ص ۹، تحقیق لابن الجوزی ج ا ص ۴۰، ۱۰۹، ۱۳۱، ۱۳۲، ۳۲۷، ۳۵۱، کاشف فی معرفۃ من لہ روایۃ فی الکتب الستۃ للذھبی ج ا ص ۱۲۷، تاریخ بغداد للخطیب ج ۶ ص ۲۲۷، موضوعات ابن الجوزی ج ا ص ۱۵۸، ۱۵۹، فوائد المجموعۃ للشوکانی ص ۲۷۴-۳۷۴، سنن دارقطنی ج ا ص ۶۵ ج ۴ص ۱۱۸، ۲۳۰، سنن الکبری للبیہقی ج ا ص ۸۹، ۱۴۲، ۲۴۰، ج ۲ص ۲۵۶، ج ۳ص ۱۳۸، ج ۴ص ۱۵۰، ج ۵ص ۳۳۳، ج ۶ صظ ۸ ر ج ۹ص ۳۲۶، فتح الباری لابن حجر ج ۵ص ۳۷۵، ۲۲۱ ج ۹ص ۶۶۵ ج ۱۳ص ۱۶۴، ۳۷۴، ۵۴۵، تحفۃ الاحوذی للمبارکپوری ج ا ص ۱۲۳، مجمع الزوائد للہیثمی ج ا ص ۱۶، ۱۲۲ ج ۳ص ۲۵، ۶۰ ج ۴ص ۳۸، ج ۶ص ا، ج ۹ص ۲۸۵، نصب الرایہ للزیلعی ج ا ص ۸۰، ۳۹، ۱۰۳، ۱۹۵، ۴۱۴ ج ۲ص ۱۶۷، ۳۱۰، ۳۲۹ ج ۳ص ۲۳۵، ۳۵ ج ۴ص ۵۸، ۱۰۷، ۱۹۵، ۱۲۳، ۳۲۹، ۳۴۰، ۴۰۳۔

(۲) تاریخ یحییٰ بن معین ج ۲ص ۵۰۱، تاریخ الکبیر للبخاری ج ۴ص ۲۴۶، ضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۴ص ۱۴، الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج ۳ص ۱۷۷، مجروحین لابن حبان ج ۲ص ۲۳۱، کامل فی الضعفاء لابن عدی ج ۶ ص ۲۱۰۵، میزان الاعتدال للذھبی ج ۳ص ۴۲۰، تہذیب التہذیب لابن حجر ج ۸ص ۴۶۵، =

لہذا یہ حدیث بھی اسناد میں مسلسل ضعفاء کی موجودگی کے باعث ''ضعیف'' قرار پائے گی۔علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کوضعیف قرار دیا ہے۔(۱)

تیسری حدیث

اس سلسلہ کی تیسری زبان زد حدیث یہ ہے:

"من ضحى طيبة نفسه محتسبا لأضحيته كانت له حجابا من النار"۔

''جو شخص اس طرح قربانی کرے کہ اس کا دل خوش ہو اور وہ اپنی قربانی میں ثواب کی نیت رکھتا ہو تو وہ قربانی اس کے لیے دوزخ سے آڑ ہو جائے گی''۔

اس حدیث کو امام طبرانی ؒ نے ''معجم الکبیر'' میں حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مرفوعا روایت کیا ہے اور علامہ جلال الدین سیوطی ؒ نے ''جامع الصغیر'' میں وارد کر کے گویا اس کی صحت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، لیکن اس کے متعلق علامہ ہیثمی ؒ فرماتے ہیں:''اس کی سند میں سلیمان بن عمرو نخعی ہے جو کذاب ہے''۔(۲)

علامہ مناوی ؒ نے ''جامع الصغیر'' کی شرح میں علامہ ہیثمی ؒ کا مذکورہ بالا قول نقل کرتے ہوئے علامہ سیوطی ؒ کا رد فرمایا ہے اور لکھتے ہیں کہ ''مصنف کو چاہئے تھا کہ اس حدیث کو کتاب سے حذف کر دیں''۔

اس حدیث کے مجروح راوی سلیمان بن عمرو النخعی ابوداود الکوفی کو امام نسائی ؒ نے ''متروک الحدیث'' بتایا ہے، امام احمد ؒ فرماتے ہیں کہ ''کذاب'' ہے، یحیی ؒ کا قول ہے:''وہ ان راویوں میں سے ہے جو کذاب اور حدیث گھڑنے کے لیے مشہور ہیں''۔ یزید بن ہارون فرماتے ہیں:''کسی شخص کو اس سے حدیث کی روایت کرنا جائز نہیں ہے''، امام بخاری ؒ فرماتے ہیں: ''وہ کذب کے لیے معروف ہے''، امام دارقطنی ؒ نے اسے ''متروک'' بتایا ہے، امام ابن حبان ؒ فرماتے ہیں:''بظاہر صالح شخص تھا مگر جھوٹی حدیثیں گھڑا کرتا تھا، قدری بھی تھا اس اس کی حدیث کا لکھنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی اس کا ذکر الا یہ کہ علی جہت

=تقریب التہذیب لابن حجر ج۲ ص۱۳۸، الضعفاء والمتروکون للنسائی ترجمہ نمبر۵۱۱، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ج۳ ص۲۹، قانون الضعفاء للفتنی ص۲۸۶-۲۸۷، علل لاحمد بن حنبل ج۱ ص۳۸۹، تاریخ الدارمی عن ابن معین ص۱۵۹، ۱۹۷، طبقات الکبری لابن سعد ج۶ ص۳۴۹، معرفة الثقات للعجلی ج۲ ص۲۳، شرح صحیح مسلم للنووی ج۱ ص۵۱، ۵۳، سنن دارقطنی ج۱ ص۶۷، ۶۸، ۳۳۱، ج نمبر۲ ص۱۹۱، ج۳ ص۲۶۹، سنن الکبری للبیہقی ج۱ ص۱۰۸، ج۲ ص۱۲۰، ۱۶۰، ج۴ ص۱۰۸، ج۵ ص۵۸، ج۷ ص۱۷۰، ۱۹۲، ج۱۰ ص۳۸، ہدی الساری لابن حجر ص۳۴۹، فتح الباری لابن حجر ج۱ ص۲۵۸، ج۲ ص۲۱۴، ۳۳۵، ۴۱۷، ج۳ ص۲۳۳، ۴۵۹، ۵۳۴، ج۴ ص۱۶۷، ۱۶۹، ۳۶۳، ج۵ ص۳۷۵، ج۱۰ ص۱۳۸، ج۱۱ ص۲۳۴، ۵۹۴، ج۱۳ ص۴۲۹، تحفة الاحوذی للمبارکپوری ج۱ ص۲۶۱، ج۲ ص۲۱۶، مجمع الزوائد للہیثمی ج۱ ص۸۳، ج۳ ص۲۲، ج۶ ص۲۴۵، ۲۷۹، ج۱۰ ص۹۴، ۱۴۲، ۱۸۰، ۳۴۹، عون المعبود للعظیم آبادی ج۱ ص۴۹، بذل المجہود للسہارنپوری ج۱ ص۳۲۲، ۳۲۵، نصب الرایہ للزیلعی ج۱ ص۱۷، ج۲ ص۹، ۴۷۵، ۳۳۴، ۳۸۹، ج۳ ص۹۹، ۱۰۲، ج۴ ص۲۷، ۳۳۰، ۴۱۱۔

(۱) سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة للالبانی ج۲ ص۱۳۔

(۲) مجمع الزوائد للہیثمی ج۴ ص۱۷۔

الاعتبار ہو''۔علامہ زیلعی ؒ فرماتے ہیں:''ابن الجوزی ؒ نے اس کی تکذیب کی ہے''،امام ذہبی فرماتے ہیں:''کذاب ہے، امام بخاری کا قول ہے کہ متر ک ہے۔قتیبہ ؒ اور اسحاق ؒ نے اس پر کذب کے ساتھ جرح کی ہے''،ابن عدی ؒ فرماتے ہیں: ''اس بات پر اجماع ہے کہ وہ حدیث گھڑتا تھا''۔(۱)

پس یہ حدیث سلیمان بن عمرو النخعی کی موجودگی کے باعث''موضوع'' قرار پائے گی۔شیخ الحدیث علامہ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے''سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ''میں اسے''موضوع'' قرار دیا ہے۔(۲) (جاری)

☆☆☆

(بقیہ درس قرآن)

آپ ﷺ کی اس ہدایت کی وجہ سے پہلی صدی ہجری تک جب تک صحابۂ کرام زندہ تھے قرآن مجید کے علاوہ احادیث کا مجموعہ کتابی شکل میں نہیں آیا۔حالانکہ بہت سے صحابۂ کرام لکھنا جانتے تھے،مگر ان صحابہ کرام نے آپ کی ہدایت کے مطابق آپ کی ہر بات کو سینہ در سینہ امت تک پہنچایا ہے اور محدثین کرام نے جہاں تک ہوسکتا تھا لمبے لمبے سفر کر کے جہاں سے یہ احادیث مل سکتی تھیں جانفشانی اور محنت کر کے اکٹھا کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے لے کر محدثین کرام تک سو سے تین سو سال کا زمانہ ہے ان تین سو سال کی مدت میں اسلام مکہ و مدینہ سے نکل کر ایران،عراق،چین،روس اور براعظم ہندوافریقہ کے دور دراز علاقوں تک پھیل چکا تھا۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ثانی کے دور میں ہی جو ممالک اور سلطنتیں اسلامی حکومت میں شامل ہو چکی تھیں وہ مصر،شام،عراق،ایران اور افریقہ کے ممالک ہیں۔مختلف جنگ میں جو فوجیں جاتی تھیں ان کی قیادت صحابۂ کرام ہی کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں دارالحکومت مدینہ نہیں بلکہ مصر و شام کے شہر تھے اور اسی جگہ سے فوجیں روانہ ہوتی تھیں۔اس لیے اگر گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہے کہ اکثر صحابۂ کرام مدینہ منورہ سے نکل کر دور دراز علاقوں میں پھیل گئے تھے اسی لیے حدیث رسول کو اکٹھا کرنے والے اکثر محدثین کرام ایسے ملکوں سے تعلق رکھتے ہیں جو عرب نہیں تھے۔ (جاری)

☆☆☆

(۱) تاریخ یحیٰ بن معین ج ۳ص ۵۵۴،تاریخ الکبیر للبخاری ج ۲ص ۲۸،تاریخ الصغیر للبخاری ج ۲ص ۲۹۲،ضعفاء الکبیر للبخاری ترجمہ نمبر ۵۳،علل لابن حنبل ج ۱ ص ۴،معرفۃ التاریخ للبستوی ج ۳ص ۵۷،ضعفاء الکبیر للعقیلی ج ۲ص ۱۳۴،الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ج ۲ص ۱۳۲،المجروحین لابن حبان ج ۱ص ۳۳۳،کامل فی الضعفاء لابن عدی ج ۳ص ۱۰۹۶،الضعفاء والمتروکون للنسائی ترجمہ ۲۴۷،الضعفاء والمتروکون للدارقطنی ترجمہ نمبر ۲۵۶،میزان الاعتدال للذھبی ج ۲ص ۲۱۶،الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی ج ۲ص ۳۲-۲۳،کشف الحثیث عمن رمی بوضع الحدیث للحلبی ص ۲۰۲-۲۰۳،قانون الضعفاء للفتنی ص ۲۶۱،تنزیہ الشریعۃ لابن عراق ج نمبر ۱ص ۶۵،مختصر سنن ابی داود للمنذری ج ۲۲ص ۱۸۷،نصب الرایۃ للزیلعی ج ۲ص ۳۳۸۔

(۲) سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ للالبانی ج ۲ص ۱۵۔

حج -فضیلت واہمیت،محاسن واسرار

محمد اسلم مبارکپوری

☆ حج کا لغوی معنی:

حج، حجّ یحج (باب نصر ینصر) کا مصدر ہے، جس کا معنی ہے: قصد وارادہ کرنا، أصل الحج في اللغة: القصد، وقال الخلیل: کثرة القصد إلی معظم. لغت میں ''حج'' کا اصل معنی ''قصد وارادہ کرنا'' ہے، امام لغت خلیل کے نزدیک اس کا معنی ہے: محترم مقام کی طرف کثرت سے قصد کرنا۔

☆ حج کا شرعی معنی:

وفي الشرع: القصد إلی البیت الحرام بأعمال مخصوصة. (۱)

مخصوص اعمال کی ادائیگی کے لیے مسجد حرام کی طرف سفر کرنے کے قصد کو ''حج'' کہا جاتا ہے۔

شریف جرجانی نے ''حج'' کی شرعی تعریف بایں لفظ کی ہے: "قصد لبیت الله تعالی بصفة مخصوصة في وقت مخصوص بشرائط مخصوصة. (۲) مخصوص انداز میں مخصوص وقت میں مخصوص شرطوں کے ساتھ بیت اللہ شریف کا قصد کرنا شرعی اصطلاح میں ''حج'' کہلاتا ہے۔

حج ایک اہم عبادت اور دینی فریضہ ہے۔ ان افراد پر فرض ہے جو بیت اللہ شریف تک پہنچنے کی طاقت رکھتے ہوں، اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے: ﴿ولله علی الناس حج البیت من استطاع إلیه سبیلا﴾ (آل عمران: ۹۷) اللہ تعالی نے ان لوگوں پر جو اس گھر کی طرف راہ پا سکتے ہوں، اس کا حج فرض کر دیا ہے۔

حدیث جبرئیل میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "الإسلام أن تشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله، وتقیم الصلاة، وتؤتي الزکاة، وتصوم رمضان، وتحج البیت إن استطعت إلیه سبیلا" (۳) اسلام یہ ہے کہ آپ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیں، نماز قائم کریں، زکاۃ ادا کریں، رمضان کے روزے رکھیں اور خانہ کعبہ کا حج کریں بشرطیکہ وہاں تک پہنچنے کی طاقت ہو۔

اس حدیث میں حج کو ارکان اسلام میں شمار کیا گیا ہے۔ اس کی وضاحت ایک دوسری حدیث سے ہوتی ہے، جسے ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "بني الإسلام علی خمس: شهادة أن لا إله الا الله وأن محمدا رسول الله، وإقام الصلاة، وإیتاء الزکاة، والحج، وصوم رمضان" (۴) اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے۔

---

(۱) فتح الباری (۴۴۲/۳) (۲) التعریفات (ص: ۸۲)

(۳) مسلم (۸/۱) بروایت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔ (۴) بخاری (۸)، مسلم (۱۶/۱۹)

۱-لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ،اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں) کی گواہی دینا۔
۲-نماز قائم کرنا۔
۳-زکوۃ دینا
۴-حج کرنا۔
۵-روزہ رکھنا۔

☆ حج جنت میں داخلے کا باعث اور جہنم سے نجات ودوری کا ذریعہ ہے:

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھا، میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ "أخبرني بعمل يدخلني الجنة" مجھے ایسا عمل بتائیے جو جنت میں داخل کرے، "ويباعدني من النار" اور جہنم سے دور رکھے۔

آپ نے فرمایا: تم نے ایک اہم چیز کے بارے میں سوال کیا ہے، اور یہ اس شخص کے لیے آسان ہے جس کے لیے اللہ تعالی سہولت پیدا کرے، سنو! جنت میں داخل کرنے والے، اور جہنم سے دور کرنے والے عمل یہ ہیں:

"تعبد الله ولا تشرك به شيئا": اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔
وتقيم الصلاة: نماز ادا کرو۔
وتؤتي الزكاة: زکاۃ دو۔
وتصوم رمضان: ماہ صیام کا روزہ رکھو۔
وتحج البيت: اور خانہ کعبہ کا حج کرو۔(۱)

حج کرنے سے گناہ معاف ہوتے ہیں، اور گناہوں کی معافی دخول جنت کا سبب ہے۔جیسا کہ اعلان حج کے وقت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا تھا گناہوں کی معافی کے متعلق حدیث میں ہے:

"من حج ولم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته أمه" (۲) جس شخص نے حج کیا اور شہوت کی باتوں اور نافرمانی سے اجتناب کیا، وہ اپنی گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہوگیا جیسا کہ وہ اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا ہے۔

☆ حج کی فرضیت:

حج کی فرضیت کب ہوئی ؟ اس کے بارے میں اختلاف ہے۔جمہور علماء کے نزدیک ۶ رہجری میں فرض ہوا ہے، اور بعض علماء کے نزدیک ۹ رہجری میں فرض ہوا ہے، اس قول کو امام نووی نے روضۃ الطالبین میں، ماوردی نے الاحکام السلطانیۃ

(۱) ترمذی (۲۶۱۹) وقال: حدیث حسن صحیح، احمد (۲۳۱/۵، ۲۳۷)، شرح السنۃ (۱۱)۔
(۲) بخاری (۱۵۲۱)، مسلم (۱۳۵۰/۴۳۸)

(ص۲۰۲) میں بیان کیا ہے، اسی کو قاضی عیاض اور مفسر قرآن امام قرطبی وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مستطیع پر حج زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے۔(۱) اور ایک سے زاید حج کرنا تطوع (نفل) ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن الله تعالى كتب عليكم الحج، فقال الأقرع بن حابس التميمي: كل عام يا رسول الله؟ فسكت فقال: لو قلت نعم، لوجبت، ثم إذا لا تسمعون ولا تطيعون، ولكنه حجة واحدة. (۲) یقیناً اللہ تعالی نے تم سب لوگوں پر حج فرض کردیا ہے (اس لیے حج کرو) اقرع بن حابس تمیمی نے پوچھا کہ کیا ہر سال حج کریں؟ اس سوال پر نبی اکرم ﷺ خاموش رہے (وحی کا انتظار کرنے لگے، وحی آنے کے بعد) آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہوجاتا، پھر تم سب لوگ (اس کی ادائیگی کی طاقت نہ رکھتے اور) نہ ہی سمع وطاعت بجالاتے، لیکن حج صرف ایک ہی بار ہے۔

دوسری روایت میں ہے:

"الحج مرة، فمن زاد فهو تطوع" (۳)

حج ایک بار فرض ہے، جو اس سے زاید کرے گا تو یہ نفل ہوگا۔

البتہ ہر پانچ سال بعد تکرار کرنا مستحب ہے، فرض نہیں ہے۔ حدیث قدسی میں ہے: "إن عبدا صححت له جسمه ووسّعت عليه في المعيشة، يمضي عليه خمسة أعوام لا يفد إليّ لمحروم". (۴) جس بندے کو میں نے جسمانی صحت عطا کی، اور روزی میں وسعت دی، وہ پانچ سال گذرنے کے بعد میرے پاس نہیں آتا ہے تو وہ محروم ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جو لوگ صحت وتندرست ہوتے ہوئے، اور زادوراحلہ کی استطاعت رکھتے ہوئے حج نہیں کرتے ہیں وہ عند اللہ کار خیر، اور ایک اہم دینی فریضہ کی ادائیگی سے محروم ہیں۔ اس لیے شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے حج کی ترغیب دلائی ہے، اور متعدد فضائل بیان کرکے اس کی ادائیگی کا شوق دلایا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ "أي العمل أفضل؟" کون سا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

(۱) المغنی لابن قدامہ (۶/۵) بتحقیق الترکی۔

(۲) نسائی (۵/۱۱۱) عن ابن عباس، وأصلہ فی مسلم (۱۳۳۷/۴۱۲) عن ابی ھریرۃ۔

(۳) ابوداود (۱۷۲۱)، مسند احمد (۱/۲۵۵، ۲۹۱)، بیہقی (۴/۳۲۶) یہ روایت صحیح ہے، التلخیص الحبیر (۲/۲۲۰)، وارواء الغلیل (۹۸۰)

(۴) ابن حبان (۳۷۰۳-الاحسان) اسے شعیب الارناووط نے "صحیح" اور شیخ البانی نے "صحیح لغیرہ" کہا ہے، الصحیحۃ (۱۶۶۲)، التعلیقات الحسان (۳۶۹۵)، نیز دیکھیں: مجمع الزوائد (۳/۲۰۶)

إيمان بالله ورسوله اللہ اوراس کے رسول پر ایمان لانا۔
قيل: ثم ماذا ؟ پھر آپ سے سوال کیا گیا کہ اس کے بعد کون؟
قيل: الجهاد في سبيل الله اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔
قيل: ثم ماذا ؟ پھر آپ سے سوال کیا گیا کہ اس کے بعد کون؟
قال: حج مبرور آپ نے فرمایا: حج مبرور۔(۱)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
الحج المبرور ليس له جزاء الا الجنة۔ (۲) حج مبرور کا بدلہ صرف جنت ہی ہے۔
حج مبرور اس حج کو کہتے ہیں جس میں کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا گیا ہو۔
من حج ولم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته أمه۔ (۳)
جس شخص نے حج کیا اور جنسی گفتگو اور نافرمانی سے اجتناب کیا، وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک صاف ہو گیا جیسا کہ وہ اس دن تھا جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:
العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما، والحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة۔ (۴)
ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ گناہوں کے لیے کفارہ ہے، اور حج مبرور کی جزا صرف جنت ہی ہے۔

ان احادیث کی روشنی میں مستطیع افراد (مرد ہوں یا عورت) غور کریں کہ کیا ان کو اس دینی فریضہ کی ادائیگی سے سبک دوش ہونے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے، کیا ان کی زندگی ان کے ہاتھ میں ہے، ان کی عمریں ان کے کنٹرول میں ہے، ان کی موت ان کے دست نگر ہے، امراض واسقام ان کے قبضہ وقدرت میں ہیں، یقیناً ارباب فہم ودانش کا جواب نفی میں ہوگا، تو پھر اس کی ادائیگی میں تاخیر کیوں ہو رہی ہے؟ ذہن کے دریچوں کو وا کیجئے اور انشراح صدر سے کام لیجئے اور سنئے رسول اللہ ﷺ کی اس وعید کو جس میں آپ نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے: "من لم يمنعه من الحج حاجة ظاهرة، أو سلطان جائر، أو مرض حابس، فمات ولم يحج، فليمت إن شاء يهوديا أو نصرانيا۔ (۵)
جو شخص حج نہیں کرتا، اور اسے ضروری کام یا ظالم حکومت یا بیماری کی رکاوٹ بھی نہیں ہے، اور اس حالت میں مر گیا، اور حج نہیں کیا تو وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر مرے (سب برابر ہے) یعنی اس کی موت اسلام کے علاوہ دوسرے دھرم پر ہوئی۔

---

(۱) بخاری (۲۶)، مسلم (۸۳)۔ (۲) بخاری (۱۷۷۳)، مسلم (۱۳۴۹/۴۳۷)
(۳) بخاری (۱۵۲۱)، مسلم (۱۳۵۰/۴۳۸) (۴) بخاری (۱۷۷۳)، مسلم (۱۳۴۹/۴۳۷)
(۵) دارمی (۱۷۸۵)

یہ حدیث اگر چہ ضعیف ہے (جیسا کہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے مشکاۃ المصابیح کی تحقیق (۳۵۳۵) میں ''ضعیف'' کہا ہے) مگر بلاوجہ تاخیر کرنے کی ممانعت دوسری احادیث سے ثابت ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "من أراد الحج فليعجل"(۱) جو حج کا ارادہ کرلے اسے جلدی کرنا چاہئے۔

فإن أحدكم لا يدري ما يعرض له. (۲)

اس لیے کہ کسی کو نہیں معلوم کہ کس پریشانی یا جھنجھٹ میں مبتلا ہو جائے۔

امکان ہے کہ قد تضل الضالة، ويمرض المريض، وتكون الحاجة.(۳) سواری گم ہو جائے یا راستہ بھٹک جائے، اور بیماری لاحق ہو جائے، اور ضرورت پیش آ جائے۔

اس ضمن میں اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلا، ومن كفر فإن الله غني عن العالمين﴾ (آل عمران:۹۷) اللہ تعالی نے ان لوگوں پر جو اس گھر کی طرف راہ پا سکتے ہوں، اس کا حج فرض کردیا ہے، اور جو (استطاعت کے باوجود حج نہ کرے، کسر مسر کرے، یا) انکار کرے تو اللہ تعالی سارے جہاں سے بے نیاز ہے۔

☆ حج کے فوائد:

اس مضمون کے ابتداء میں حج کے بعض دینی واخروی فوائد کا ذکر کیا گیا ہے، مثلاً حج جنت میں داخلے کا باعث اور جہنم سے نجات کا ذریعہ، اور گناہوں کی معافی کا سبب ہے، درج ذیل سطور میں حج کے دنیاوی ومعاشرتی، سیاسی اور اقتصادی فوائد کا ذکر کیا جا رہا ہے، دنیاوی فوائد کی طرف اللہ سبحانہ وتعالی نے روشنی ڈالی ہے، ارشاد ہے: ﴿ليشهدوا منافع لهم﴾ (سورۃ الحج:۲۷) تاکہ اپنے فائدے حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوں۔

۱- حج اسلامی اخوت کا عملی مظہر ہے، اور امت مسلمہ کے اتحاد واتفاق کی علامت ہے، حج میں مختلف رنگ ونسل، زبان ووطن کے لوگ ایک ساتھ مل کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، ان کا لباس ایک ہوتا ہے، ان کا قبلہ ایک ہوتا ہے، طریقہ عبادت ایک ہوتا ہے، اور ان کا معبود بھی ایک ہوتا ہے، یہ سب وحدت اسلامی اور اخوت اسلامی کے مظہر ہیں۔

إن هذه أمتكم أمة واحدة. (المومنون:۵۲) یقیناً تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے۔

۲- حج ایک ایسا مدرسہ ہے جس میں مسلمان صبر وتحمل، اخوت ومحبت اور نرم برتاؤ کا عادی بنتا ہے، بندگی کی لذت محسوس کرتا ہے، اور اپنے رب مالک السماوات والارض کی عظمت کے گن گاتا ہے، اس کی تسبیح وتحمید، تکبیر وتہلیل میں رطب اللسان

(۱) ابوداود (۱۷۳۲) بروایت ابن عباس، یہ روایت مہران ابوصفوان کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے، لیکن متابعت کی وجہ سے یہ روایت ''حسن لغیرہ'' ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ارواء الغلیل (۹۹۰)

(۲) مسند احمد (۱/۳۱۴) یہ سند ضعیف ہے، لیکن متابعت کی وجہ سے ''حسن لغیرہ'' ہے۔ حوالہ بالا۔

(۳) ابن ماجہ (۲۸۸۳)، مسند احمد (۱/۳۲۳) شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ''حسن'' کہا ہے۔ صحیح ابن ماجہ (۲۳۳۱)

رہتا ہے اور یہ اعتراف کرتا ہے کہ ساری مخلوقات اللہ سبحانہ وتعالی کی محتاج ہے۔

﴿أنتم الفقراء إلى الله﴾ (الفاطر:۱۵) اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو۔

۳- حج میں مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے احوال وکوائف سے آگاہ ہوتا ہے، اس ملاقات سے ان کی دینی، سیاسی، اقتصادی اور معاشی سرگرمیوں سے واقفیت ہوتی ہے، ان کی تہذیب وتمدن، معاشرت اور ثقافت سے آگاہی ہوتی ہے۔

﴿یا أیها الناس إنا خلقناکم من ذکر وأنثى وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا﴾ (الحجرات:۱۳) اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد وعورت سے پیدا کیا ہے، اسی لیے کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں، تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو۔

۴- حج ایک عالمی کانفرنس ہے جس میں مختلف بلاد وامصار کے علماء وفضلاء، زعما وقائدین، ارباب حل وعقد، امراء وسلاطین، وزراء واعوان مملکت جیسی مقتدر اور مؤثر ہستیاں شریک ہوتی ہیں، جس میں اسلامی ملکوں کے مسائل کا عمدہ حل نکالا جاسکتا ہے، انتشار واختلاف کو صلح وآشتی میں بدلا جاسکتا ہے، اور آئندہ کے لیے مفید حکمت عملی تیار کی جاسکتی ہے، جس کے بہترین اور دوررس نتائج ثابت ہوں۔

۵- حج میں انبیاء کرام علیہم السلام کے احوال، ان کی عبادتیں یاد آتی ہیں، ان کے جہاد واخلاق کی یاد آتی ہے، ایک مسلمان کے لیے کامیابی یہی ہے کہ ان انبیاء کے نقش قدم پر چلے، ان کو اپنا آئیڈیل اور نمونہ بنائے بالخصوص نبی اقدس آخر الزماں ﷺ کی پیروی اور اتباع کو حرز جان جائے۔

﴿لقد کان لکم في رسول الله أسوة حسنة﴾ (الاحزاب:۲۱) تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ میں بہترین نمونہ ہے۔

۶- حج میں جذبات اور تکلیف پر کنٹرول رکھنے کی عادت پڑتی ہے۔

۷- حج یوم آخرت اور میدان محشر کی یاد دلاتا ہے اور اس نقشے کا تصور ذہن میں تازہ کرتا ہے۔

۸- حج جائز آمدنی کا اہم ذریعہ ہے، حج کرنے والا اس اہم عبادت کی انجام دہی کے ساتھ جائز تجارت بھی کرسکتا ہے، جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ﴿لیشهدوا منافع لهم﴾ (سورۃ الحج:۲۷) تاکہ اپنے فائدے حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوں۔

یہ فائدے دینی بھی ہیں، اور دنیاوی بھی کہ تجارت اور کاروبار سے مال واسباب دنیا بھی میسر آجائے۔

۹- حج ایک دینی سفر ہے، یہ سفر اپنے دامن میں بہت سی خصوصیات کا حامل ہے، ایک خاصیت تو یہ ہے کہ سفر لوگوں کے اخلاق وعادات کا ایسا اظہار کرتا ہے کہ بعض مخفی عادتیں بھی طشت از بام ہوجاتی ہیں، سفر بذات خود درسگاہ عبرت وموعظت ہے، یہ عقل وفہم کے دروازوں کی کلید ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿أفلم یسیروا في الأرض فتکون لهم قلوب یعقلون بها، أو آذان یسمعون بها﴾ (الحج:۴۶) کیا انہوں نے زمین کا سفر کیا کہ انہیں عقل حاصل ہوتی جس

سے سمجھتے یا کان نصیب ہوتے جن سے یہ سنتے۔

سابقہ سطور میں بیان کیا جاچکا ہے کہ حج زندگی میں صرف ایک ہی بار فرض ہے، اور جو شخص ایک سے زاید بار حج کرے تو اس کا حج نفل ہوگا۔ اس لیے اہل ثروت حضرات کو چاہئے کہ نفلی حج کے چکر میں نہ پڑ کر ان پیسوں کو غریب ونادار بچیوں کی شادی، اور مفلوک الحال طلباء کی پڑھائی اور دیگر رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کریں۔ اس طرح وہ کئی اعتبار سے ثواب کے مستحق ہوں گے۔ مالدار حضرات اپنے حج کی گنتی کی تعداد بڑھانے کے چکر میں بار بار حج کرتے ہیں (یا ارادہ کرتے ہیں) حالانکہ ان کا فریضہ تو ایک بار حج کرنے سے ادا ہو چکا ہے، اس لیے دوسروں کو موقع دینا چاہئے، اور کسی غریب کو بھی حج کرا کے اس کے اور اس کے اہل وعیال کے دلوں میں فرحت ومسرت کے بیج بونا چاہئے، وہ بھی اپنے اس کعبہ کے دیدار کا متمنی ہے جس طرف رخ کرکے رات ودن میں پانچ وقت کی نمازیں ادا کرتا ہے، اس نعمت کے حصول پر وہ کتنا فرحاں وشاداں ہوگا اس کا ٹھیک اندازہ تو وہی کرسکتا ہے جو اس نعمت سے محظوظ ہوا ہو۔

مشہور محدث عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، وہ ایک مرتبہ اپنے شہر ''مرو'' سے حج پر جارہے تھے، ایک آبادی کے قریب پہنچے تو ایک پرندہ جو آپ کے ہمراہ تھا، مرگیا، آپ نے اسے گھور (جہاں کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا ہے) میں پھینکنے اور قافلے کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، اور خود کسی ضرورت کے سبب پیچھے رہ گئے، تھوڑی دیر بعد آپ نے دیکھا کہ ایک بچی گھور کے پاس آئی اور وہاں سے کچھ اٹھا کر جانے لگی، آپ نے یہ دیکھ کر اس ننھی بچی کو بلایا، وہ آپ کے پاس آئی، آپ نے اس سے پوچھا: تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ بچی نے جھجکتے ہوئے ہاتھ کو کھولا تو اس میں مردہ چڑیا تھی، آپ نے بچی سے نہایت شفقت ومحبت سے پوچھا: بیٹی، تو نے یہ مردہ چڑیا کیوں اٹھالیا؟ بچی نے روتے ہوئے جواب دیا:

چچا جان! بات یہ ہے کہ میں اور میرا ایک چھوٹا بھائی، ہم دونوں یتیم ہیں، ماں باپ دونوں انتقال کر چکے ہیں، کئی دنوں سے فاقہ پر گذارہ ہورہا ہے، کسی سے مانگتے ہوئے شرم آرہی ہے، اس لیے اس گھور سے مردہ چڑیا اٹھالی ہے، تاکہ اسے کھا کر پیٹ کی آگ بجھائی جاسکے۔

یہ سن کر عبداللہ بن مبارک رو پڑے، اپنے خزانچی سے پوچھا کہ ہمارے پاس کتنے دینار ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ ایک ہزار دینار ہیں، پوچھا کہ واپس مرو جانے کے لیے کتنے دینار کافی ہوں گے؟ جواب ملا: بیس دینار بہت کافی ہیں، آپ نے فرمایا: بیس دینار باقی رکھ کر باقی دینار اور ہمارے ساتھ جو کچھ غلہ واناج ہے اس یتیم بچی کو دے دو، یہ ہمارے نفلی حج سے کہیں زیادہ بہتر ہے، پھر آپ مرو واپس لوٹ آئے اور حج نہیں کیا۔

فاعتبروا يا أولي الأبصار.

اے عقل مندو! اے ارباب فہم ودانش!

اس واقعہ پر غور کرو اور اسے دیدۂ عبرت بناؤ۔

☆☆☆

صفاومروہ: فضائل واحکام

محمد أظہر بن أصغر علی امام مہدی السّلفی
متعلم اسلامک یونیورسٹی مدینہ منورہ

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، أمابعد:

صفاومروہ کامختصر تعارف اوراس کے فضائل واحکام کوآپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے ہمیں نہایت ہی خوشی محسوس ہورہی ہے،اللہ تعالی ہمیں بحسن وخوبی پیش کرنے کی توفیق بخشے،آمین۔

صفا کی تعریف:

صفاایک چھوٹی پہاڑی جوجبل ابی قبیس کی جڑمیں واقع ہےاوروہ خانہ کعبہ سےتقریباایک سوتیس میٹرکی دوری پرپورب اوراتر کے جانب واقع ہے۔

وجہ تسمیہ:

صفا کوصفا پہاڑی اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس کے پتھر چکنے ہیں۔

مروہ کی تعریف:

مروہ ایک پہاڑی ہے جوپتھروں کے ڈھیر کا مجموعہ ہےاورجبل قعیقعان سے متصل خانہ کعبہ سےتقریبا تین سومیٹر کے فاصلے پرشرق شمال کی جانب واقع ہے۔

وجہ تسمیہ:

مروہ کومروہ پہاڑی اس لئے کہتے ہیں کیونکہ اس کے پتھر سفیداورسخت ہیں۔

صفاومروہ کے خصائص:

صفاومروہ اللہ کے شعائر میں سے ہےجسکواللہ تعالی نے لوگوں کے لئے حج وعمرہ کے مناسک میں شامل کردیا ہےاور ارشادفرمایاہے "ان الصفا والمروة من شعائر الله" نیزصفاومروہ،سعی کی ابتدااورانتہاءکی دوعلامتیں ہیں۔

سب سے پہلے ان دونوں پہاڑوں کا چکرحضرت ھاجر نے لگایااس وقت جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی (ھاجر)اوراپنے بیٹے اسماعیل کوبیت اللہ کے جوارمیں چھوڑ گئےاورکھانے پینے کی تمام چیزیں جوان کے پاس تھیں سب ختم ہوگئیں توھاجر پانی کی تلاش میں صفاپہاڑی کی طرف نکلیں جب وہ دورچمکتی ہوئی ریت کودیکھتیں توگمان کرتیں کہ وہ پانی ہے،چنانچہ اس کےطرف دوڑ پڑتی پھرصفاپہاڑی سے اترتیں اورمروہ کی طرف چل پڑتیں،اس طرح انہوں نے پانی کی

تلاش میں سات چکر پورا کیا تو ان کے بیٹے کی طرف سے آواز آئی اور وہ حضرت جبریل کی آواز تھی، حضرت جبریل علیہ السلام نے اسماعیل کے قدموں کے نیچے ایک ضرب لگائی جس سے زمزم کا چشمہ پھوٹ پڑا، اور اللہ تعالی نے صفاومروہ کی سعی کو حج وعمرہ کے اہم رکنوں میں سے ایک اہم رکن بنادیا جس کے بغیر حج وعمرہ مکمل نہیں ہوسکتا، مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ بیان فرماتی ہیں کہ ''اللہ تعالی کسی شخص کا حج وعمرہ پورا نہیں کرتا جب تلک وہ صفاومروہ کی سعی نہ کرلے (عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: ما أتم الله حج امرىء ولاعمرته لم يطف بين الصفا والمروة) (أخرجه مسلم)

صفاومروہ کی سعی اس لئے مشروع کی گئی ہے کہ اس میں اللہ رب العزت والجلال کا زیادہ سے زیادہ ذکرواذکار کی جاسکے، چنانچہ امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں اور ابوداؤد نے اپنی سنن میں اور امام ترمذی نے اپنی جامع میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی ایک روایت نقل کی ہے جس میں آپ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا ہے کہ ''رمی جمار (شیطانوں کو کنکری مارنا) اور صفاومروہ کی سعی کرنا اللہ تعالی کو یاد کرنے کے لئے بنایا گیا ہے'' عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله ﷺ انما جعل رمي الجمار والسعي بين الصفا والمروة لاقامة ذكر الله)۔

صفاومروہ کے تعلق سے شرعی احکامات

صفاومروہ کی خصوصیت کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ وہ دونوں حج وعمرہ کے اہم ارکان میں سے ہیں نیز حج وعمرہ کرنے والے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ سعی کی ابتداء صفا پہاڑی سے کرے نبی ﷺ کی تعلیمات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے آپ ﷺ نے ارشادفرمایا ہے (وابدأ بما بدأ الله به) ابتداء وہاں سے کررہا ہوں جہاں سے اللہ نے ابتداء کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس حدیث کو امام نسائی نے اپنی سنن میں امر کے صیغہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

سنت طریقہ یہ ہے کہ حج یا عمرہ کرنے والا پہاڑی پر چڑھے تو یہ آیت پڑھے: (ان الصفا والمروة من شعائر الله) اور خانہ کعبہ کی طرف رخ کرکے کھڑا ہوجائے اور تین باراللہ اکبر کہے اور جس طرح ہاتھ اٹھا کر دعاء کرتے ہیں اسی طرح ہاتھ اٹھا کر یہ دعاء پڑھے: (لا اله إلا الله والله أكبر، لا اله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد يحيى ويميت وهو على كل شيء قدير، لا اله إلا الله وحده، أنجز وعده ونصر عبده وهزم الأحزاب وحده) یہ دعاء تین بار پڑھے اور ہر ایک کے درمیان جو دعا چاہے زیادہ سے زیادہ کرے اور اگر اسی دعاء پر اکتفاء کرلے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے پھر صفا سے اترتے ہوئے مروہ کی طرف چل پڑے اور درمیان سعی اپنے اور اپنے اہل وعیال اعزہ واقارب اور عام مسلمانوں کے لئے دعا کرے جب وہ ہرے نشان پر پہونچے تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ تیز دوڑے اور جب دوسری ہری لائٹ پر پہونچے تو عام چال چلے یہاں تک کہ وہ مروہ پہنچ جائے، جب وہ مروہ پہاڑی پر چڑھ جائے تو اسی طرح کرے جس طرح صفا پر کیا تھا یعنی قبلہ رخ ہوکر ہاتھ اٹھا کے وہ وہی دعائیں پڑھے جو صفا پر پڑھی تھی لیکن مروہ پر

چڑھتے وقت یہ آیت نہ پڑھے (ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ) اور جو چاہے دعائیں کرے پھر مروہ سے عام چال چلتے ہوئے اترے اور دونوں ہری علامتوں کے بیچ تیزی سے دوڑے پھر عام چال چلتے ہوئے صفا پر چڑھ جائے اس طرح وہ اپنی سات چکر پورا کرے، صفا سے شروع کرتے ہوئے مروہ تک ایک چکر شمار کرے اور اسی طرح مروہ سے صفا تک دوسرا چکر۔

اور اس طریقے (صفت) کو تفصیلی طور پر امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ تعالی عنہ کی حدیث کو نقل کیا ہے جس میں ارشاد فرمایا: "خذوا عني مناسككم "تم لوگ مجھ سے حج کے مناسک سیکھ لو۔

صفاومروہ کے تعلق سے سرزد ہونے والی چند غلطیاں

علم کی کمی کے وجہ سے ہمارے بہت سارے بھائی یہ گمان کرتے ہیں کہ صفا سے مروہ اور پھر مروہ سے صفا تک ایک چکر ہے جبکہ سراسر سنت کے خلاف ہے اور اس طرح وہ لوگ چودہ چکر لگاتے ہیں اور اسی طرح بعض لوگ سعی، اضطباع کی حالت میں کرتے ہیں اور پورے سعی میں دوڑتے ہیں جبکہ سنت یہ ہے کہ آدمی دونوں لائٹوں کے بیچ میں دوڑے اور اضطباع صرف طواف قدوم کرتے وقت کرے۔

اور بہت سارے بھائی صفاومروہ پر اللہ اکبر کہتے ہوئے اشارہ کرتے ہیں اور دعاء کرتے وقت رفع الیدین کرتے ہیں جس طرح تکبیرۃ الاحرام کے وقت کی جاتی ہے جبکہ یہ سراسر غلط ہے اور سنت سے ثابت نہی ہے جبکہ صحیح یہ ہے کہ دعاء کے وقت اپنے ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے جس طرح عام دعاء کے وقت اٹھاتا ہے اور دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرنا حاج ومعتمر کی عام غلطیوں میں سے ہے۔

اسی طرح ہماری بعض خواتین حضرات دونوں لائٹوں کے درمیان مردوں کے ساتھ دوڑ لگاتی ہیں جبکہ یہ دوڑ نا صرف مردوں کے لئے خاص ہے عورتوں کے لئے نہیں ہے۔

اسی طرح ہماری بہت ساری خواتین یہ سمجھتی ہیں کہ حیض اور نفاس کی حالت میں سعی نہیں کرسکتیں جبکہ ایسا نہیں ہے بلکہ ان کے لئے جائز ہے کہ وہ طواف کعبہ کے سوا سعی کرسکتی ہیں اس لئے کہ سعی کی جگہ مسجد حرام میں داخل نہیں ہے۔

اسی طرح بہت ساری غلطیوں میں سے ایک یہ ہے کہ لوگ سعی سے فارغ ہوکر دو رکعت نماز پڑھتے ہیں جس طرح طواف کے چکر پورا کرنے کے بعد دو رکعت پڑھتے ہیں، یہ سراسر غلط ہے اور غیر مشروع ہے، اللہ تعالی سے دعاء ہے کہ ہم لوگوں کو حق سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشے اور باطل کو باطل سمجھنے اور اس سے دور رہنے کی توفیق دے، آمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

(شائع کردہ: الرئاسۃ العامۃ لشؤون المسجد الحرام والمسجد النبوي الشریف مکۃ المکرّمۃ)

☆☆☆

اولاد میں بگاڑ-اسباب اور علاج

(قسط:۳-۳)

تحریر: محمد انور محمد قاسم سلفی/کویت

والدین کی لڑائی اور جھگڑا

بچوں کے بگاڑ کا ایک اہم سبب گھر میں والدین کی لڑائی اور جھگڑا ہے، جب بچے ماں باپ کو بات بات پر لڑتے جھگڑتے اور ماں کو باپ کے ہاتھوں پٹتے دیکھتے ہیں تو ان کے دلوں میں ماں کے لیے محبت اور باپ کے لیے نفرت کے جذبات وعواطف پیدا ہوتے ہیں، وہ پھر گھر چھوڑ کر کہیں بھاگ جانے کو ترجیح دیتے ہیں، یا باپ اور ماں میں سے کسی ایک کی حمایت یا مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں، جس کا نتیجہ اولاد اور والدین کے حق میں برا نکلتا ہے۔

اسلام نے گھر کے ماحول کو پرسکون اور خوشگوار رکھنے کی ذمہ داری میاں اور بیوی دونوں پر عائد کی ہے، عورت کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر کو خوش رکھے اور رب کی جنت کی مستحق ہو جائے، ارشاد نبوی ﷺ ہے: "المرأة إذا صلت خمسها، وصامت شهرها، وأطاعت بعلها، وأحصنت فرجها، قيل لها يوم القيامة: "ادخلي الجنة من أي أبوابها الثمانية شئتِ" (ترمذی) یعنی عورت جب پنج وقتہ نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنے شوہر کی اطاعت کرے، اور اپنی عصمت کی حفاظت کرے، تو اس سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہے جنت میں داخل ہو جائے۔

ایک اور روایت میں شوہر کی جنسی خواہش کا احترام نہ کرنے کو فرشتوں کی لعنت کا موجب قرار دیا، اس لیے کہ اکثر مسائل اسی انکار کے سبب پیش آتے ہیں، آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "إذا دعا الرجل امرأته إلى فراشه، فأبت أن تجئ إليه، فبات غضبان عليها، تلعنها الملائكة حتى تصبح" (متفق علیہ) ترجمہ: ''جب کوئی شخص اپنی بیوی کو ہم بستری کے لیے بلائے، اور اس نے آنے سے انکار کر دیا، اور اس نے ناراضی کی حالت میں رات گذاری، تو صبح ہونے تک اللہ کے فرشتے اس عورت پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں''۔

کچھ عورتیں زمانۂ نبوی میں جمع ہوئیں اور انہوں نے طے کیا کہ ہم میں سے ایک عورت کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں روانہ کیا جائے، ان میں سے ایک آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی، یا رسول اللہ! میں عورتوں کی جانب سے قاصد بن کر آپ کے پاس یہ کہنے کے لیے آئی ہوں کہ: ''جہاد کو اللہ تعالی نے مردوں پر فرض کیا ہے، اگر وہ اس کامیاب لوٹتے ہیں تو اجر وثواب پاتے ہیں، اگر شہید ہو جاتے ہیں تو اپنے رب کے پاس زندگی پاتے ہیں، جہاں انہیں روزی دی جاتی ہے۔ (یہ مردوں کا رتبہ ہے) لیکن ہم عورتوں کا حال یہ ہے کہ ہم بس ان کی نگہداشت کرتی ہیں، ہمیں اس پر کیا ثواب ملے گا؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: "ابلغي من لقيت من النساء أن الطاعة للزوج، واعترافا بحقه،

يعدل ذلك، وقليل منكن من يفعله" (رواہ البزار، والطبرانی) ترجمہ: تم سے ملاقات کرنے والی عورتوں سے جا کر کہہ دینا کہ شوہر کی خدمت واطاعت کرنا اور اس کے حقوق کی رعایت اور اعتراف کرنا (اجر میں) مردوں کے برابر ہوگا، لیکن تم میں کم ایسی عورتیں ہوں گی۔

ساتھ ہی مرد کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے، فرمان نبوی ہے: "اتقوا الله في النساء، فإنكم أخذتموهن بأمانة الله، واستحللتم فروجهن بكلمة الله، ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف" (مسلم) ترجمہ: عورتوں کے متعلق اللہ تعالی سے ڈرو، اس لیے کہ تم نے انہیں اللہ کی امانت سمجھتے ہوئے اپنی زوجیت میں لیا ہے، اور ان کی عصمتوں کو اللہ کے کلمہ سے اپنے لیے حلال کیا ہے، تم پر ان کا حق یہ ہے کہ تم انہیں بھلے طریقے پر خوراک اور لباس مہیا کرو۔

بیوی کی کسی ناپسندیدہ عادت پر شوہر کو یہ کہتے ہوئے صبر کرنے کی تلقین کی گئی کہ وہ اپنی بیوی کی خوبیوں اور خامیوں کا موازنہ کرے، اس کی طرف صرف ناراضگی اور کراہت کی نظر سے ہی نہ دیکھے: "لا يفرك مؤمن مؤمنة، ان كره منها خلقا رضي منها آخر" (مسلم) ترجمہ: "کوئی مومن مرد کسی مومنہ عورت (اپنی بیوی) سے بغض نہ رکھے، اس لیے کہ اگر اسے اس کی کوئی عادت ناپسند ہے تو کوئی دوسری پسند بھی آئے گی"۔

ان کو بہترین مرد قرار دیا گیا جو اپنی بیویوں کے لیے سب سے اچھے ہوں: "خيركم خيركم لأهله، وأنا خير لأهلي" (ابن ماجہ، حاکم) یعنی تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہوں"۔

ایک اور حدیث میں شوہر کو تاکید کی گئی ہے کہ بیوی سے جو کچھ میسر آئے لے لے، کیونکہ وہ کامل وجہ پر نہیں پیدا کی گئی ہے، بلکہ اس میں ٹیڑھا پن ہونا لازمی ہے اور آدمی اسی طبیعت پر اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جس پر وہ پیدا کی گئی ہے۔ فرمان نبوی ﷺ ہے: "استوصوا بالنساء خيرا، فإنهن خلقن من ضلع، وان أعوج شيء في الضلع أعلاه، فإن ذهبت تقيمه كسرته، وإن تركته لم يزل أعوج، فاستوصوا بالنساء خيرا" (بخاری ومسلم) ترجمہ: "عورتوں سے بہتر سلوک کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور کسی طرح تمہارے لیے سیدھی نہ ہوگی اور پسلی کا سب سے ٹیڑھا حصہ وہ ہے جو اس کا بلند حصہ ہے، اگر تم اسے بالکل سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ دو گے اور اگر چھوڑ دو گے تو ٹیڑھی ہی رہے گی، لہذا عورتوں سے اچھا سلوک کرو"۔

عورتوں میں شوہر کو کچھ نہ کچھ کہتے رہنے کی فطری عادت رہتی ہے، اس سے تنگ آ کر ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کی شکایت لے کر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے، جا کر دیکھا تو ان کے گھر کا معاملہ بھی اپنے گھر سے کچھ الگ نہیں تھا، امیر المؤمنین کی بیوی بھی انہیں کچھ کڑوی کسیلی سنا رہی تھیں، الٹے قدم واپس آئے،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں طلب کیا اور آکر واپس چلے جانے کی وجہ پوچھی تو فرمایا:''جس افتاد کی شکایت لے کر آپ کی خدمت میں پہنچا تھا اسی مصیبت سے آپ بھی دوچار تھے تو واپس چلا گیا''، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:''ابن مسعود! میں آپ کو قریش کا عقلمند آدمی سمجھ رہا تھا، آج پتہ چلا کہ تم ایسے نہیں ہو، دیکھو! اللہ تعالی نے بیوی ہونے کے ناطے عورت پر جو فریضہ عائد کیا ہے وہ یہ کہ جب شوہر اسے اپنے بستر کی طرف بلائے تو وہ چلی آئے، لیکن اس سے آگے بڑھ کر وہ ہمارے گھر کی حفاظت کرتی ہے، بچوں کی پرورش کرتی ہے، ہمارے جانوروں کی خدمت کرتی ہے، ہمارے گھر کی صفائی کرتی ہے، ہمارے لیے کھانا پکاتی ہے، وغیرہ، جب بیوی کے اتنے سارے احسانات ہم پر ہوں، اگر وہ کبھی ہم پر گرجتی برستی ہے تو برسنے دو، اس سے فرق کیا پڑتا ہے؟ (اخلاقنا الاجتماعی:۹۰)

آپ ﷺ اپنی بزرگی اور عظمت کے باوجود بیویوں کے ساتھ نہایت ہی خوشگوار طور پر زندگی بسر فرماتے، ہنسی مذاق، کھیل کود میں بیویوں کو شریک فرماتے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:''ایک مرتبہ میں سفر میں آپ کے ہمراہ تھی، آپ نے قافلہ والوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، جب قافلہ آگے بڑھ گیا تو فرمایا:''چلو ہم اور تم دوڑ لگاتے ہیں'' میں ہلکی پھلکی تھی، دوڑ میں آپ کو پیچھے چھوڑ دیا، پھر چند سالوں بعد جب میرا وزن کچھ اور بڑھ گیا، تو دوران سفر آپ ﷺ نے کاروان کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، پھر مجھ سے فرمایا:''چلو دوڑ لگاتے ہیں'' اب کی بار آپ ﷺ مجھ سے آگے بڑھ گئے اور فرمایا: "هذه بتلك" یعنی میں نے پچھلا حساب چکا دیا''۔ (ابوداود، نسائی)

بیویوں کی حقوق میں سے یہ بھی ہے کہ شوہر ان سے ان کی بچیوں کی شادی کے سلسلے میں مشورہ لے، آپ ﷺ نے حکم دیا: "آمروا النساء في بناتهن" (احمد، ابوداود) ترجمہ: عورتوں سے ان کی بچیوں کے متعلق ان کی مرضی دریافت کرو، یعنی بچیوں کی کسی کے ساتھ منگنی کرنے سے پہلے ان سے اجازت لو۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جیسے قانون اور انصاف کے معاملے میں سخت طبع حکمران بھی گھر میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ بالکل ہم آہنگ ہو جاتے، خود فرماتے: "ينبغي للرجل أن يكون في أهله كالصبي، فإذا كان في القوم كان رجلا" (تربیۃ الاولاد فی الاسلام:۹۳) آدمی کو اپنے گھر میں محبت اور نرمی میں بچے کی طرح ہونا چاہئے، جب لوگوں میں ہو تو مرد بن کر رہے، آپ ﷺ اپنے گھر میں ایک عام انسان کی طرح زندگی بسر کرتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: آپ ﷺ گھر میں وہ تمام کام کرتے جو تم میں سے ایک عام آدمی کرتا ہے، کوئی چیز ایک جگہ سے اٹھاتے اور دوسری جگہ پر رکھتے، گھر کے امور میں اپنی بیویوں کی مدد فرماتے، کپڑے سل دیتے، گوشت کاٹ کر دیتے، گھر میں جھاڑو دیتے، اور خادم کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹاتے۔ (طبرانی)

یہ وہ مبنی بر انصاف حقوق ہیں جنہیں اسلام نے میاں بیوی دونوں پر عائد کئے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جس معاشرے

میں ان حقوق پر کماحقہ عمل ہوتو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ معاشرہ انسانیت کا سب سے زیادہ سعادت مند، خوشگوار، محبت بھرا اور ہنستا وکھیلتا معاشرہ ہوگا۔اس معاشرے میں دشمنی، نفرت، حقارت، بیوی پر ظلم وزیادتی، گالی گلوچ، الزامات اور تہمتوں، طلاق اور خلع جیسی مکروہ چیزوں کو ہرگز ہرگز کوئی جگہ نہیں ملے گی۔

باپ کی بدسلوکی

بچوں کے انحراف میں باپ کی بدسلوکی کا بھی بڑا عمل دخل ہے، اگر باپ بری عادتوں مثلا شراب خوری، قمار بازی، جھگڑالو، بدزبان اور بات بات پر بچوں کو بری طرح پیٹنے والا، انہیں مختلف ذریعوں سے ذلیل کرنے والا، ان کا مذاق اڑانے والا، ان کے خلاف غلط پروپیگنڈہ کرنے والا اور ان کی عزت نفس کو خاک میں ملانے والا ہو، تو بچے بچپن میں تو باپ سے ڈرے سہمے رہتے ہیں، لیکن جوان ہونے کے ساتھ ہی وہ باپ کے باغی بن کر اس کی ناقدری پر اتر آتے ہیں، باپ کے لیے ضروری ہے کہ اپنے بچوں کے ساتھ پیار ومحبت اور شفقت ومہربانی کا سلوک کرے، اگر کبھی کچھ ڈانٹ ڈپٹ اور ہلکی سی مار کی ضرورت بھی پیش آجائے تو تھوڑی دیر بعد اس سے محبت کا سلوک کرے، تاکہ بچے کے قلب وذہن میں یہ بات نہ بیٹھ جائے کہ میرا باپ ہمیشہ ہی مجھے مارتا ہے، والد کے لیے ضروری ہے کہ بچے اگر کبھی کچھ غلطی کرجائیں، یا شرارت کریں تو بجائے مارنے کے انہیں پیار ومحبت سے سمجھائے، اور ان کے عمل سے ہونے والے نقصان کی انہیں تفصیل بتائے، جب شرارتیں حد سے گذر جائیں تو نفسیاتی طور پر ان پر اثر ڈالے اور تھوڑی دیر کے لیے ایسا رخ اپنائے کہ انہیں احساس ہو کہ ہمارا والد ہم سے ناراض ہے، اور ان کی تربیت میں رحم دلی اور محبت کے ان تمام تقاضوں کو پورا کرے جن کا کہ ہم نے گذشتہ اوراق میں بالتفصیل ذکر کیا ہے، اگر پیار ومحبت کے اسلامی خطوط پر ان کی تربیت ہو تو ان سے ہم بجا یہ امید کرسکتے ہیں کہ وہ بڑھاپے میں والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔

ایک مرتبہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما اپنے بیٹے یزید سے ناراض ہوگئے، پھر حضرت احنف بن قیس رضی اللہ عنہ سے، بچوں سے والد کے سلوک کے متعلق ان کی رائے دریافت کی، جواب میں انہوں نے کہلا بھیجا: "هم ثمار قلوبنا، وعماد ظهورنا، ونحن لهم أرض ذليلة، وسماء ظليلة، فان طلبوا فاعطهم، وإن غضبوا فأرضهم يمنحونك ودهم، ويحبونك جهدهم، ولا تكن عليهم ثقيلا فيملوا حياتك، ويتمنوا وفاتك"۔ (تربیۃ الاولاد فی الاسلام ج۱ص۱۰۱)

یعنی اولاد ہمارے دل کے پھل ہیں، اور ہماری ریڑھ کی ہڈی ہیں، اور ہم ان کے لیے نرم زمین ہیں، اور سایہ فگن آسمان ہیں، اگر وہ کچھ طلب کریں تو آپ انہیں عطا کریں، اگر وہ ناراض ہوجائیں تو آپ انہیں راضی کریں، پھر وہ آپ پر اپنی محبت لٹائیں گے، اور اپنی محنتوں کا پھل آپ کو پیش کریں گے، آپ ان پر بوجھ نہ بنیں، اس سے وہ آپ کی زندگی سے تنگ آجائیں گے اور آپ کے مرنے کی آرزو کریں گے۔

خاتمہ

اس بات سے ہر خاص وعام واقف ہے کہ بچے قوم، ملت اور ملک کے مستقبل ہیں، یہ وہ بیج ہیں جنہیں اگر زرخیز زمین میں بویا جائے، پھر اس کو تقوی اور ایمان کے پانی سے سیراب کیا جائے تو ہمیشہ اچھا پھل دیں گے، اگر بچوں کی تربیت کا گہرائی سے جائزہ لیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ تین ماحول ایسے ہیں جو انہیں اچھا یا برا بنانے میں کلیدی کردار ادا کرتے ہیں، اور وہ ہیں: (۱) گھر (۲) تربیت گاہ (۳) معاشرہ۔

ان تینوں اہم تربیتی ماحول کا پاکیزہ ہونا فرد کے اخلاق وکردار کی بھلائی کا ضامن ہے اور ان تینوں کا برا اور بگڑا ہوا ہونا فرد کے بگاڑ اور فساد کے لیے کافی ہے، اللہ تعالی نے شریعت اسلامیہ کو انسانیت کی فلاح وکامیابی کے لیے نازل فرمایا ہے، اسی لیے اس نے تربیت کے ان تینوں اہم مصادر کو ٹھیک رکھنے کے لیے ضروری ہدایات دی ہیں:

۱- گھر کے متعلق فرمایا: "ما من مولود إلا يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه أو ينصرانه، أو يمجسانه" (بخاری ومسلم) ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے ماں باپ یا تو اسے یہودی، یا عیسائی، یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ نیز فرمایا: "مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين واضربوهم عليها وهم أبناء عشر، وفرقوا في المضاجع" (ابوداود، حسن) بچوں کو جب وہ سات سال کے ہو جائیں تو نماز پڑھنے کی تاکید کرو اور جب دس سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز نہ پڑھنے پر مارو اور ان کے بستروں کو جدا کر دو۔

گھر کا ماحول اسلامی ہے، والدین پابند شریعت ہیں، تو امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی دینی ماحول میں پرداخت کریں گے، اگر معاملہ برعکس ہے تو گھر کا غیر دینی اور فیشن زدہ ماحول اولاد کو راہ حق سے بھٹکانے کے لیے کافی ہے۔

۲- گھر کے بعد بچے اپنا زیادہ وقت مدرسہ، اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں گذارتے ہیں، یہاں پر آنے کے بعد بچوں کا مستقبل دو اہم رہنماؤں کے رحم وکرم پر ہوتا ہے:

۱- استاد ومدرس: ٹیچر اور استاد بچوں کے مقصد زندگی کا رخ متعین کرتا ہے، اگر مدرس ذمہ دار اور بچوں کی تربیت میں مخلص ہے تو بچوں کی تعلیمی زندگی پر اس کے بڑے خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اگر بدقسمتی سے استاد غیر ذمہ دار بلکہ بداخلاق ہو، تدریس کو بس کھانے کمانے ایک پیشہ سمجھتا ہو، جیسا کہ آج کل کالج اور یونیورسٹیوں کا ماحول ہے کہ پروفیسر حضرات اپنے شاگردوں کے ساتھ مل بیٹھ کر شراب نوشی کرتے ہوئے پکڑے گئے، تو ایسا مدرس بچوں کے بگاڑ میں اہم کردار ادا کرے گا۔

۲- تعلیم: کیونکہ تعلیم ہی بچوں کی معاشرتی زندگی کی رہنمائی کرتی ہے، اور تعلیم کے لیے ضروری ہے کہ وہ صحیح منہج اور فکر سلیم سے متصف ہو، اگر کوئی تعلیم ان اوصاف سے متصف نہیں تو پھر یہ بنی نوع انسانیت کے لیے زہر ہلاہل ہوگی۔

غیر اسلامی افکار، ملحدانہ نظریات، اور مجنونانہ تھیوریوں سے جو تعلیم متعلق ہوگی وہ ''اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی'' کے مصداق بچوں پر بلائے قہرمان ہوگی اور افسوس کہ آج اکثر حکومتوں کی تعلیم سرمایہ دارانہ نظریات، یا کمیونسٹ افکار، یا شوشلزم اور جمہوریت کی دعوت پر مشتمل ہے، اور ان تمام افکار ونظریات کا اسلام سے دور دور تک کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔

سرمایہ دارانہ نظریات بخل وحرص پر مشتمل ہیں، جس میں ہر صحیح یا غلط طریقے سے دولت کا حصول ہی بنیادی حیثیت رکھتا ہے، کمیونزم اور اشتراکیت حسد وبغض پر مشتمل ہے، جس سے مالداروں اور غریبوں کے درمیان کشمکش کو''جہاد'' کا درجہ حاصل ہے۔ جمہوریت میں قوم پرستی کو اولین مقام حاصل ہے، اندھی قوم پرستی جس میں سوائے اپنے تمام اقوام کو کمتر سمجھا جائے، فرد اور معاشرے میں تعصب وتنگ نظری، ضد اور ہٹ دھرمی کو جنم دیتی ہے، اور ان تمام اصول ونظریات کو تاریخ اور انسانی معاشرے نے اپنے عمل سے رد کردیا ہے۔

اس لیے مسلم ماہرین تعلیم سے گزارش ہے کہ وہ اپنے مدارس، اسکول وکالجوں کے لیے ایک خصوصی نصاب تعلیم وتربیت دیں، جس میں ان تمام گمراہ اور باطل نظریات کی حقیقت واضح کرکے اسلامی اصول ونظریات کے محاسن وخوبیوں کو بچوں کے دل ودماغ میں راسخ کریں۔

۳- معاشرہ: معاشرے کی اصلاح کے لیے اسلام نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیا ہے، فرمان باری تعالی ہے: ﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتؤمنون بالله﴾ (آل عمران: ۱۱۰) تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی بھلائی کے لیے برپا کی گئی ہو، تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالی پر ایمان رکھتے ہو۔

جس معاشرے میں نیکیوں کا حکم اور برائیوں سے روکنا برابر جاری ہو تو اس معاشرے میں برے افراد اور سماج دشمن عناصر پنپ نہیں سکیں گے، نتیجے میں معاشرہ صالح ہوگا، بچوں کے لیے نیک ساتھی اور بھلائیوں پر تعاون کرنے والے دوست واحباب میسر آئیں گے، جن کی صحبت سے امید کی جاسکتی ہے کہ بچے نیک اور صالح ہوں گے، لیکن افسوس آج امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہ ہونے کی وجہ سے معاشرہ برائیوں سے بھر گیا، برے اور سماج دشمن عناصر غالب، اور نیک لوگ مغلوب ہوگئے ہیں، ایسے حالات میں والدین کا اولین فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے جگر کے ٹکڑوں کو ماحول ومعاشرے کے برے اثرات سے بچانے کی ممکن حد تک کوشش کریں۔

والدین کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اپنے گھر، اور بچوں کے اسکول وکالج اور اپنے معاشرے کا جائزہ لیں، اگر یہ تینوں جگہیں ٹھیک ہیں تو اللہ تعالی کا شکر ادا کریں، اگر ان جگہوں میں گھر کا ماحول خراب ہے تو اپنے بچوں پر رحم کرتے ہوئے اسے دینی بنائیں، اسکول وکالج کے ماحول کو ممکن ہو سکے تو سدھاریں، ورنہ کسی دوسرے ایسے اسکول یا کالج میں بچے کا داخلہ کرائیں جہاں کا ماحول بہتر ہو، اگر معاشرے کی اصلاح ممکن نہیں تو پھر اس برے معاشرے سے کسی نیک ماحول کی طرف نقل مکانی کریں، تاکہ آپ کے بچے غلط معاشرے سے لاحق ہونے والے نقصان سے بچ سکیں۔ اللہ تعالی تمام مسلمانوں کی اولاد کو نیک بنائے، ان سے ہمارے دل کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرمائے، اور ان کے مستقبل کو تابناک بنائے۔ اور تمام کی بگڑی ہوئی اولاد کو راہ ہدایت عطا کرکے انہیں اپنے والدین کا مطیع وفرماں بردار بنائے۔

☆☆☆

اعتقادی انحرافات کے ظہور کا تاریخی جائزہ

(قسط:۲)

راشد حسن فضل حق مبارکپوری
مدرس جامعہ اسلامیہ، سنابل، نئی دہلی

تیسرا فتنہ:

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں منہج سلف سے منحرف وروگرداں چار بدعتی اشخاص پیدا ہوئے، یہ چاروں گمراہ فرقوں سرغنہ تھے:

(۱)واصل بن عطاء (۲)الجعد بن درہم (۳)الجہم بن صفوان (۴)مقاتل بن سلیمان

اولا: واصل بن عطاء(۱): یہ فرقۂ معتزلہ کا بانی وموسس تھا، اس نے بنیادی طور سے دو بدعتیں ایجاد کیں۔

پہلی بدعت: مرتکب کبیرہ کی اگر توبہ کئے بغیر وفات ہوگئی تو اہل سنت والجماعت اسے اللہ کے حوالہ کرتے ہیں، مگر معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ منزلۃ بین المنزلتین ہے، نہ تو مومن ہے نہ ہی کافر۔

شہرستانی لکھتے ہیں: اس فتنہ کے وجود کا پس منظر یہ ہے کہ ایک شخص حضرت حسن بصریؒ کی مجلس میں حاضر ہوا اور کہا: اے امام شریعت! ہمارے اس زمانہ میں ایک جماعت ظاہر ہوئی ہے، جو اصحاب کبائر کی تکفیر کرتی ہے، اور گناہ کبیرہ کو موجب کفر قرار دیتی ہے، اور اس کے مرتکبین کو ملت سے خارج تصور کرتی ہے، ''یعنی خوارج''......اور ایک دوسری جماعت ہے جو اصحاب کبائر کو موخر کرتی ہے، ان کے یہاں ایمان کی موجودگی میں گناہ کبیرہ کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتا، بلکہ عمل کا تو ایمان سے کوئی تعلق ہی نہیں، تو جس طرح کفر کی موجودگی میں اطاعت کے کام کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اسی طرح ایمان کی حالت میں معصیت کوئی ضرر رساں نہیں، ''یعنی مرجئہ''......، تو آپ ان پر کیا حکم لگاتے ہیں؟ حضرت حسن بصریؒ ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ واصل بن عطاء خود ہی بول پڑا: میں نہیں کہتا کہ صاحب کبیرہ مطلقا مومن ہے یا مطلقا کافر ہے، بلکہ وہ ''منزلۃ بین المنزلتین'' ہے، اسے نہ تو مومن کہا جا سکتا ہے نہ ہی کافر۔(۲)

اس واقعہ سے واصل کے اس عقیدہ کا صحیح پس منظر معلوم ہوتا ہے۔

دوسری بدعت: واصل بن عطاء کا خیال تھا کہ صحابۂ کرام کے مابین جو جنگ واقع ہوئی تھی، ان میں فریقین میں سے کوئی ایک

---

(۱) واصل بن عطاء البصری کی ولادت ۸۰ھ میں مدینہ میں ہوئی، حضرت حسن بصری کی شاگردی اختیار کی، پھر جب ''منزلۃ بین المنزلتین'' کی بدعت ایجاد کی، تو انہوں نے اسے اپنی مجلس سے بھگا دیا، چنانچہ اس نے اپنی الگ سے مجلس بنائی، پھر جنہوں نے اس کی فکری تائید کی، وہ اس کے منہج فکر سے وابستہ ہوگئے، اس کی وفات ۱۳۱ھ میں ہوئی، ملاحظہ ہو: التنبیہ والرد: ۳۷۰-۲۳۸، الفرق بین الفرق: ۲۰-۲۱، الملل والنحل: ۱/۲۸-۲۹، المیزان: ۴/۳۲۹۔

(۲) الملل والنحل: ۱/۴۷-۴۸، الفرق بین الفرق: ۲/۱۱۸-۱۲۱۔

بلاتحدید وتعیین کافر ہے، یہی وجہ ہے کہ واصل نے عدالت صحابہ پر طعن کیا ہے، اوران کی شہادت قبول کرنے سے انکار کردیا ہے۔(۱)

ثانیا: الجعد بن درہم (۲):

اس شخص نے بھی فکر اسلامی اور منہج قویم واصیل کو مسخ کرنے کی سعی مذموم کی، اور یہ بہت ساری بدعات وخرافات کا بانی مبانی قرار پایا۔

مثلا: (۱) سب سے پہلا شخص ہے جس نے قرآن کے مخلوق ہونے کا دعوی کیا۔

(۲) سب سے پہلا شخص ہے جس نے اللہ تعالی کا حضرت موسی سے کلام کا انکار کیا۔

(۳) سب سے پہلا شخص ہے جس نے اللہ تعالی کے حضرت ابراہیم کو خلیل بنانے کا انکار کیا۔

(۴) سب سے پہلا شخص ہے جس نے اللہ تعالی کی صفات پر کلام کے ساتھ ان کا انکار بھی کیا۔

چنانچہ الجعد کے استاذ ''وہب بن منبہ'' نے جب اس کے ابتدائی انحرافات اور صفات کے باب میں کئے جانے والے بیجا سوالات کو دیکھا تو یوں گویا ہوئے: تمہارا برا ہوا ے جعد! صفات کے باب میں سوالات کرنے سے گریز کرو، مجھے خدشہ ہے کہ کہیں تم ہلاک نہ کردیئے جاؤ، اگر اللہ تعالی نے اپنے کلام مقدس میں اپنی صفات ''ید اور عین'' کی بابت خبر نہ دی ہوتی تو ہم اس کا اقرار نہ کرتے، مگر اس ذکر کے بعد سوائے سر تسلیم خم کے کوئی چارہ نہیں، اسی طرح دیگر صفات ذاتیہ واختیاریہ کا تذکرہ کرکے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔(۳)

امام ابن تیمیہ ؒ فرماتے ہیں:

اہل سنت کے نزدیک یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی عرش پر مستوی ہے، لیکن جعد بن درہم اسلامی تاریخ میں سب سے پہلا شخص ہے جس نے کہا کہ اللہ تعالی فی الحقیقت عرش پر مستوی نہیں، اور استوی کا معنیٰ ''استولی'' غالب آنا ہوتا ہے، اور اسی جعد سے یہ عقیدہ جہم بن صفوان نے لیا، اور لوگوں میں رائج کیا، لہذا ''جہمیہ'' کے معتقدات اسی کی طرف منسوب ہوگئے۔(۴)

امام سیوطی ؒ اپنی کتاب الاوائل میں لکھتے ہیں:

''سب سے پہلا شخص جس نے اسلامی عقائد میں کلمۂ خبیثہ کہا وہ جعد بن درہم ہے، جس نے یہ عقیدہ ایجاد کیا کہ اللہ تعالی صفت کلام سے متصف نہیں ہے''۔(۵)

---

(۱) التنبیہ والردص ۳۶، الفرق بین الفرق: ۱۳۰۔

(۲) جعد بن درہم مولی سوید بن غفلہ اصلا خراسان کا باشندہ تھا، دمشق میں سکونت اختیار کی، جب اس نے ''خلق قرآن'' کا فتنہ ایجاد کیا تو بنوامیہ نے سخت گرفت کی، لہذا وہ بھاگ کر کوفہ آیا، یہاں جہم بن صفوان سے ملاقات ہوئی، تو جہم نے یہ عقیدہ اس سے لیا، لیکن خالد بن عبداللہ القسری ''امیر کوفہ'' اسے گرفتار کرکے قتل کردیا، یہ عیدالاضحیٰ کا دن اور ۱۲۴ھ کا سن تھا، اللباب: ۲۸۲/۱، البدایۃ ۳۵۰/۹۔

(۳) البدایۃ ۳۵۰/۹۔ (۴) الفتاوی ۲۰/۵، وبیان تلبیس الجہمیۃ: ۱۲۷/۱۔

(۵) لوامع الانوار البہیۃ: ۲۳/۱۔

ثالثا: جہم بن صفوان (۱):

جہم بن صفوان نے بھی بیشتر عقائد میں جعد کی خوب خوب شاگردی نبھائی، اور عقیدۂ صحیحہ سے انحرافات میں اسی کا مصاحب رہا، چنانچہ نفی صفات اور خلق قرآن وغیرہ میں اس کا برابر شریک رہا، مزید اس کی کارستانیاں ملاحظہ ہوں:

(۱) عقیدۂ جبر: اس کا خیال تھا کہ انسان کو کسی چیز کی طاقت نہیں، اسے استطاعت سے موصوف نہیں کیا جا سکتا، وہ اپنے افعال میں مجبور محض ہے، یعنی جو کچھ کرتا ہے اس میں اس کی مشیت کا کوئی دخل نہیں ہوتا، بلکہ اسے انجام دینے کے لیے وہ مجبور ہے، باطل عقیدہ ہے۔

(۲) عقیدۂ معرفت وجہل: اس کا عقیدہ تھا کہ ایمان اصلا معرفت کو کہتے ہیں، اور وہ بھی اللہ تعالی کی معرفت اور کفر اصلا جہالت ہے۔

(۳) عقیدۂ فنا: اس کا عقیدہ تھا کہ جب اہل جنت جنت میں اور اہل جہنم جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو یہ جنت وجہنم دونوں فنا ہو جائیں گی۔

(۴) عقیدۂ حدوث علم: اس کا عقیدہ تھا کہ اللہ تعالی کا علم حادث ہے، یعنی اللہ تعالی اشیاء کی خلقت سے قبل ان سے واقف نہیں ہوتا، جب چیزیں وجود میں آجاتی ہیں، تو اس کے بعد اللہ کے علم میں آتی ہیں۔ (۲) ابن ابی داود سے ایک روایت ملتی ہے کہ جہم نے اپنے اس عقیدہ سے توبہ کر لی تھی، ابراہیم بن طہمان کہتے ہیں کہ مجھ سے متعدد باوثوق اشخاص نے بیان کیا کہ جہم نے اپنے عقیدے سے رجوع کر لیا تھا، اور اللہ تعالی سے توبہ بھی کر لی تھی، جب وہ مجھے یاد آتا ہے یا میری مجلس میں اس کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو میں اس پر بددعا کرتا ہوں کہ کتنے ہی لوگوں کو اس نے اپنے علاقے میں اپنے گمراہ کن عقیدے سے گم گشتہ راہ کر دیا۔ (۳) واللہ اعلم بصدق ہذہ الروایۃ۔

رابعا: مقاتل بن سلیمان (۴):

مقاتل بن سلیمان نے بھی کئی بدعتیں ایجاد کیں، مثلا اس نے اللہ تعالی کی صفات کے اثبات میں اس درجہ غلو کیا کہ تشبیہ دے دی کہ اللہ تعالی کی ذات فلاں کے مشابہ ہے، اس انتہا پسندی کا اہم سبب شاید جہم کا انکار صفات کے باب میں غلو رہا ہو۔

---

(۱) الجہم بن صفوان ابو محرز السمر قندی کا ظہور ترمذ میں ہوا، پھر بلخ منتقل ہو گیا، یہی اقامت، یہاں رہ کر مقاتل بن سلیمان سے اس کی مسجد میں مناظرہ کرتا حتی کہ اسے ترمذ کی طرف جلاوطن کر دیا گیا، پھر اس نے حارث بن سریج کے ساتھ سلطان سے بغاوت کی، تو اسے مسلم بن احوز نے قتل کر دیا، مقام ''اصبہان'' میں، بعض نے ''مرو'' کہا، یہ ۱۲۸ھ کا واقعہ ہے۔

(۲) الفرق بین الفرق: ۲۱۱-۲۱۲، مقالات الاسلامیین: ۱/۲۱۴، ۳۳۸، الملل والنحل: ۱/۸۶۔

(۳) مسائل الامام احمد بن حنبل: ۱۱۰۔

(۴) مقاتل بن سلیمان بشر البلخی قرآن مجید کی تفسیر کے سلسلہ میں بہت شہرت حاصل کی، وہ عادل ہیں یا ضعیف، لوگوں کا اس باب میں اختلاف ہے، وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی۔

ملاحظہ ہو: تاریخ بغداد: ۱۳/۱۶۰، المیزان: ۴/۱۷۳۔

امام ذہبیؒ فرماتے ہیں:

خراسان میں جہم بن صفوان نامی شخص نمودار ہوا، اس نے ''تعطیل الرب'' اللہ تعالی کی تمام صفات کے انکار اور قرآن مجید کے مخلوق ہونے کی دعوت کو عام کیا، اسی خراسان ہی میں مقاتل بن سلیمان بھی ظاہر ہوا، جس نے اللہ تعالی کی صفات کے اثبات میں اس حد تک غلو کیا کہ اللہ تعالی کی جسمیت ثابت کرنے لگا۔(۱)

امام ابوحنیفہؒ سے ایک قول مروی ہے، فرماتے ہیں:

مشرق کی جہت سے ہمارے یہاں دو خبیث عقیدے آئے، ایک جہم معطل اور دوسرا مقاتل مشبہ، گویا ایک نے انکار صفات کا کام کیا تو دوسرے نے تشبیہ صفات کا مسئلہ کھڑا کیا۔(۲)

امام ذہبیؒ نے ابن حبانؒ سے مقاتل کے تعلق سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

''وہ قرآن مجید کا علم یہود و نصاری سے لیتا جو ان کی کتابوں کے موافق ہوتا، اور اللہ تعالی کو مخلوقات سے تشبیہ دیتا، اور وہ حدیث میں کذب و افتراء سے کام لیتا تھا۔(۳)

چوتھا فترہ (۱۵۰-۲۳۴ھ):

تاریخ کے اس فترہ میں کسی قسم کی کوئی خاص بدعت گرچہ ایجاد نہیں ہوئی، مگر جو فتنے پیدا ہوگئے تھے اور جو بدعتیں وجود کا لبادہ اوڑھ چکی تھیں، ان کی جڑیں قوی اور بنیادیں مضبوط ہوگئیں، ان کے پیروکاروں اور متبعین میں قابل قدر اضافہ ہوا، حتی کہ ان کے عقائد فاسدہ کی گونج مملکت کے ایوانوں اور شاہان وقت کے کاشانوں میں سنی جانے لگی، بلکہ بعض کو حکومت وقت کا رسوخ و تائید بھی حاصل ہوگئی، اور اجباری طور پر ان عقائد کو لوگوں پر مسلط کرنے کا کام بھی ہوا، اور ائمہ اعلام و اکابرین عظام کو اس راہ میں ناقابل یقین اور رونگٹے کھڑے کردینے والی مشقتیں جھیلنی پڑیں، بہر کیف اس فترہ میں تمام سابقہ عقائد و نظریات مل ملا کر چار بنیادی فرقوں میں منقسم ہوگئے، وہ درج ذیل ہیں:

(۱) خوارج (۲) شیعہ (۳) معتزلہ (۴) مرجئہ

اس فترہ میں خاصۃ معتزلی فکر کے حاملین بہت زیادہ سرگرم عمل ہوگئے، ان کے قائدین و زعما نے کلامی بحثوں میں نہ صرف دلچسپی ظاہر کی، بلکہ ان میں کثرت مطالعہ اور تحقیق و تدقیق سے توسع پیدا کیا، عہد مامون میں علوم فلسفہ پر مشتمل کتابیں ترجمہ کی گئیں، اور مروج بھی ہوئیں، جس سے علم کلام کی بے اعتدالیوں اور فلسفیانہ موشگافیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا دور شروع ہوا۔

شہرستانی لکھتے ہیں:

''پھر اس کے بعد شیوخ معتزلہ نے فلاسفہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا، جو مامون کے عہد میں مترجم ہوکر شائع ہوئی تھیں،

(۱) تذکرۃ الحفاظ: ۱۵۹-۱۶۰، جسمیت سے مراد تشبیہ ثابت کرنا ہے۔

(۲) تاریخ بغداد ۱۳/۱۶۴۔ (۳) المیزان: ۴/۱۷۵۔

چنانچہ ان کے فکر واسلوب کو علم کلام کے فکر واسلوب سے مختلط کردیا''۔(۱)

ان لوگوں نے عجیب وغریب اقوال اور شاذ ونادر رائیں پیدا کرنا شروع کردیں، ان میں بعض کا سبب ان کی باہمی تکفیر بلکہ دوسروں کی ان پر نکیر تھی، کما ذکرہ البغدادیؒ۔(۲)

یہ بات معلوم ہے کہ اعتزال پسندانہ ذہنیت کو عقلی وفلسفیانہ مباحث ومناہج سے خصوصی لگاؤ اور وارفتگی تھی، اس کی بنیادی وجہ شاید فتوحات اسلامیہ کے وسیع دائرے میں پائے جانے والے مختلف افکار وعقائد اور متنوع مذاہب ومسالک کے حامل افراد تھے، کہ ان میں نصرانی، مجوسی، زرتشتی، جیسے دیگر فرقوں کے لوگوں کی بہتات تھی جو''نقل''یعنی کتاب وسنت پر ایمان رکھتے تھے، لہٰذا معتزلہ نے ان کے شبہات وعقائد پر ردوانتقاد اور ان کے ابطال کے لیے عقلی جدلیات سے معاونت ضروری تصور کی، کہ انہیں کی زبان سے ان کا جواب دیا جائے۔(۳)

لیکن افسوس کہ معتزلہ نے انہیں چند چیزوں پر اکتفاء واقتصار نہ کیا، بلکہ شدہ شدہ اس میں انتہا کردی اور ان کے عقائد میں ایسی ایسی شاذ ومنحرف آراء درآئیں جن کی وجہ سے وہ اہل سنت والجماعت کے عقائد ومنہج سے کافی دور ہوگئے، بلکہ صحیح لفظوں میں وہ فرقۂ طائفہ منصورہ سے خارج قرار پائے، زیر مطالعہ فترہ میں معتزلی اعلام ومشاہیر کے عقائد کیا تھے، ان کے ذکر سے اندازہ ہوسکے گا کہ یہ جماعت صحیح وسلیم منہج سے کس قدر دور گمراہی میں جاگری، اور زیغ وضلال میں کس قدر راہیں بنالی۔

ابوہذیل العلاف (متوفی ۲۲۶ھ) یہ شخص معتزلہ کے اوائل دور کے قائدین میں سے تھا، ان کا اعتقادی بیان پڑھئے اور سر پیٹئے، کہتا ہے:

''اللہ تعالی کی مقدورات (جن پر اللہ تعالی کی قدرت ہے) فنا ہوجاتی ہیں، ان کے فنا ہوجانے کے بعد اللہ تعالی کو ان پر کسی طرح کی قدرت نہیں ہوتی''۔(۴)

دیکھئے اس سے زیادہ قبیح اور ایمان وعمل، ایقان واذعان سے گرا ہوا قول اور کیا ہوسکتا ہے، ایک عقیدہ یہ بھی تھا:''اللہ تعالی عالم ہے، اس کا علم اس کی ذات ہے، وہ قادر ہے، اس کی قدرت ہی اس کی ذات ہے''۔

اس کے علاوہ دیگر صفات سے متعلق بھی اس کا عقیدہ یہی تھا، شہرستانی نے اس کی صراحت کی ہے کہ اس نے یہ رائے اہل فلاسفہ سے اقتباس کی تھی۔(۵)

گویا اس شخص نے اپنے اس بدبودار عقیدہ کے ذریعہ ذات وصفات کو ایک کردیا، اللہ کی ذات کی مستقل حیثیت ہے، اسی طرح صفات کی بھی، ہاں اتنا ضرور ہے کہ اللہ تعالی کی صفات اس کی ذات سے الگ نہیں ہوسکتیں، ایسا مستبعد ہے کہ ذات

(۱) الملل والنحل للشہرستانی ۲۸/۱۔ (۲) الفرق بین الفرق للبغدادی ۱۲۲، ۱۳۲۔

(۳) انظر للتفصیل: ضحیٰ الاسلام لأحمد أمین المصری ۳۲۲/۱-۴۰۸ و ۱۰۸/۳۔

(۴) الفرق بین الفرق للبغدادی: ۱۳۲۔ (۵) الملل والنحل للشہرستانی: ۴۹/۱-۵۰۔

کا محل الگ ہو اور اس کی صفات کا محل الگ، اس سلسلے میں امام طحاوی کی کتاب کے شارح نے بڑی تفصیلی مگر منطقیانہ بحثیں کی ہیں، جو لائق مطالعہ ہیں۔

اسی طرح اس کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا:

''کہ مکلّف بندہ پر واجب ہے کہ اللہ تعالی کو ''ورود سمع سے قبل'' دلیل کے ذریعہ جانے و پہچانے، اگر اس نے معرفت الٰہی میں ذرا بھی کوتاہی کی تو وہ عقوبت وسزا مستحق وسزاوار ہوگا''۔(۱)

یہ علاف کے بعض منحرف عقائد ہیں "الفَرق بین الفِرق، الملل والنحل" وغیرہ جیسی دیگر کتابیں جو ان موضوعات پر لکھی گئی ہیں، ان میں تفصیلی معلومات موجود ومحفوظ ہیں۔

اس فترہ میں اس کے علاوہ بھی دیگر زعماء معتزلہ نے بھی آسمان شہرت پر کمندیں ڈالیں، ان میں ''نظام'' کو خصوصی اہمیت حاصل ہے، نظام بھی ''علاف'' کے ہم مشربوں اور معاصرین میں سے تھا، بلکہ اس کا تلمیذ خاص اور وسعت اطلاع وکثرت معلومات اور ذہانت وفطانت میں اس سے فائق تھا،لیکن اس کا المیہ یہ ہوا کہ اس نے فلاسفہ کی کتابوں کا بڑی عرق ریزی وجانفشانی سے مطالعہ کیا، اور معتزلہ وفلاسفہ کے کلام کو مختلط کردیا، اس طرح وہ اپنے ارباب فکر سے بہت سے مسائل میں منفرد ہوگیا، ''شہرستانی'' نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے اور بعض عقائد بھی ذکر کئے ہیں۔(۲)

''نظام'' اپنے رفقائے فکر ونظر سے درج ذیل چیزوں میں منفرد ہوا۔

(۱) اللہ تعالی کو شرور ومعاصی پر قدرت سے موصوف نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ہی معاصی باری تعالی کے مقدور میں ہوسکتی ہیں''۔(۳)

اس کے علاوہ بھی اس نے اللہ تعالی کے عجز پر ایسی ایسی باتیں پیش کیں، جنہیں ایک صاحب ایمان کہنا تو کجا سننا بھی گوارا نہیں کرسکتا۔

(۲) اس نے نظم قرآنی میں اعجاز کا انکار کیا، ساتھ ہی نبی ﷺ کے انشقاق قمر اور کنکریوں کی تسبیح جیسے معقول ومنقول معجزات کا بھی انکار کیا۔(۴)

(۳) شاید وہ پہلا شخص ہے جس نے ''جوہر'' (۵) اور ''اعراض'' (۶) جیسی فلسفیانہ اصطلاحات کے ذریعہ سے کلام کیا، پھر مرور زمانہ کے ساتھ اللہ تعالی کی ذات وصفات پر گفتگو کے حوالے سے معتزلی افکار میں ان کا استعمال جزء لا ینفک بن

(۱) الملل والنحل للشہرستانی: ۵۳/۱۔ (۲) الملل والنحل للشہرستانی: ۵۳/۱۔

(۳) الملل والنحل للشہرستانی: ۵۴/۱، الفرق بین الفرق: ۱۳۳۔ (۴) الفرق بین الفرق: ۱۳۲، ۱۴۳، الملل والنحل: ۵۶/۱۔

(۵) جوہر: قائم بالذات کو کہتے ہیں، یعنی اس کا اپنا مستقل وجود ہوتا ہے، قیام ذات میں اسے دوسروں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۶) اعراض: غیر قائم بالذات چیز کو کہتے ہیں، جس کا اپنا کوئی وجود نہیں ہوتا، بلکہ ذات کے قیام میں اسے دوسرں کی ضرورت ہوتی ہے، جیسے موصوف کے بغیر صفت نہیں، اور صفت کے بغیر موصوف نہیں۔

گیا، انکار صفات کے باب میں ان الفاظ نے کافی اہم رول ادا کیا۔

(۴) مذکورہ بالا عقائد پر اس نے اقتصار واکتفاء نہ کیا، بلکہ صحابۂ کرام تک پر طعن کرنے سے گریز نہ کیا۔

بغدادی لکھتے ہیں: ''نظام نے اپنی مذکورہ تمام تر ضلالتوں اور گمراہیوں کے ''علی الرغم'' محض صحابہ وتابعین پر ان کے فتاووں کی وجہ سے زبان طعن دراز کی''۔ ''جاحظ'' نے ''کتاب المعارف'' اور اپنی معروف کتاب ''الفتیا'' میں اس کا ذکر کیا ہے کہ اس ناعاقبت اندیش نے ''اہل حدیث'' کو صرف اور صرف اس بنیاد پر ہدف رد وانتقاد بنایا ہے، کیونکہ یہ لوگ ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں، اور اس کا اپنا گمان تھا کہ نعوذ باللہ حضرت ابو ہریرہؓ سب سے بڑے جھوٹے ہیں، ساتھ ہی اس نے حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، ابن مسعودؓ، علیؓ وغیرہ پر طعن کیا۔(۱)

نظام نے جس جرأت مندی کے ساتھ منہج سلف کی ردائے عظمت کو تار تار کیا ہے، اور جس طرح ان کے تقدس کو مجروح کیا ہے کہ اس میں اس نے اپنے ماسبق تمام حاملین اعتزال کو پیچھے چھوڑ دیا۔

اسی نظام اور علاف کے معاصرین اور اسی دبستان کے خوشہ چینوں میں سے ''احمد بن خالط'' اور ''الفضل الحدثی'' بھی تھے، جنہوں نے اپنی جد وجہد سے اپنے اسلاف سے بھی آگے نکلنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا، شہرستانی نے یہ بات وثوق کے ساتھ لکھی ہے کہ یہ دونوں نظام کے اصحاب ورفقاء میں سے تھے، انہوں نے بھی فلسفیانہ مباحث میں مہارت حاصل کی، اور ماسبق بدعات میں پیش رفت کرتے ہوئے امت اسلامیہ کو غفلت کی نیند سلانے کے لیے بدعت وانحراف کی کچھ اور گولیاں فراہم کیں، کہ جنہوں نے انہیں غیر اسلامی افکار ومناہج سے قریب تر کر دیا، وہ یہ ہیں:

(۱) پہلی بدعت تو یہ تھی کہ حضرت عیسی علیہ السلام احکام الہیہ میں سے ایک ہیں۔

(۲) دوسری بدعت تھی کہ عقیدۂ تناسخ درست ہے۔(۲)

(۳) تیسری بدعت یہ تھی کہ ''رؤیت باری تعالی'' کے متعلق تمام نصوص کو عقل اول کی رویت پر محمول کیا جائے، جیسے "انکم سترون ربکم" حدیث سے رویت باری نہ مراد لے کر اسے عقل اول کی رویت پر محمول کرتے ہیں۔(۳)

---

(۱) ملاحظہ ہو: الفرق بین الفرق: ۱۴۷-۱۵۰، الملل والنحل: ۱/۵۷-۵۸۔

(۲) عقیدۂ تناسخ بنیادی طور سے غیر مسلمین کا عقیدہ ہے، اور یہ آج بھی معاشرہ میں موجود ہے، اسے ہندی میں پُنر جَنم (Punar Janm) یا آوا گون (Awa Gawan) کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس دنیا میں اچھے کام کرے گا تو آئندہ جنم میں وہ اس سے زیادہ بہترین شکل میں ہوگا، مگر اگر کوئی برا کام کرے گا تو دوسرے جنم میں وہ جانور، سبزی وغیرہ کچھ بھی بن سکتا ہے، گویا ان کے یہاں روح دنیا ہی میں بھٹکتی رہتی ہے، ہندو اکثر کہتے ہیں: اچھے کام کرو تا کہ اگلا جنم بہتر ہو۔ یہ بالکل غلط نظریہ ہے، بلکہ انسانی زندگی کی تین حیثیتیں ہیں، دنیوی زندگی، برزخی زندگی، اخروی زندگی۔ وفات کے بعد انسان برزخی زندگی میں ہوتا ہے، واللہ اعلم۔

اس سلسلہ میں تفصیل کے لیے ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن الاعظمی کی مشہور کتاب ''دراسات فی الیہودیۃ والنصرانیۃ والہندوسیۃ'' دیکھنا مفید ہوگا۔

(۳) اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن اہل ایمان کو اللہ تعالی کا دیدار نصیب ہوگا، اس کی بہت سی دلیلیں کتاب وسنت میں موجود ہیں، مثلا: "وجوه يومئذ ناضرة إلى ربها ناظرة" اور مذکورہ حدیث وغیرہ، مگر بعض اہل بدع اس کا انکار کرتے ہیں۔

اس فترہ میں معتزلی فکر سے وابستہ حضرات اپنی تمام شاخوں و جماعتوں کے ساتھ عقلی بنیادوں پر شرعی مسائل میں بحث وتحقیق اور تدقیق ومناقشہ میں سرگرم وسرگرداں ہوگئے، اسی کے دوبدو انہوں نے یونانی فلسفیانہ افکار ومناہج کو متاع گم گشتہ سمجھ کر اپنے فکری کشکول میں ڈال لیا، اس آمیزش کے بعد عقلیں اس کی طرف مائل ہونے لگیں اور دل سے اسے قبول کرنے پر آمادہ وتیار ہوگئے، اس طرح اس کی فکری بنیادیں اتنی مضبوط وقوی ہوگئیں کہ عام تو عام حکومت وقت نے اسے تسلیم کرلیا، چنانچہ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں بنوعباسیہ کے خلیفہ مامون کو بھی انہوں نے اپنا ہم نوا بنا کر اپنی صف میں شامل کرلیا، ان عقائد میں سب سے پہلا عقیدہ قرآن مجید کے مخلوق ہونے کا تھا، چنانچہ مامون نے ۲۱۸ھ میں اسے قبول کرلیا، اور اس عقیدہ کا سرکاری اعلان بھی کرادیا، پھر اس عقیدہ کی خوب خوب تشہیر ہوئی، اور سیف وسنان کے ذریعہ لوگوں کو اس عقیدہ کے تسلیم وقبول کرنے پر مجبور کیا گیا، اس سلسلے میں اہل علم نے قید وبند کی خطرناک صعوبتیں برداشت کیں، اور جان کی بازی لگانے سے بھی گریز نہ کیا۔

مامون کے بعد معتصم اور واثق اس کے جانشین مقرر ہوئے، اور فتنہ کے اس شعلہ کو بھڑکائے رکھا، اور فتنوں وکشاکش کا یہ دور عہد متوکل تک جاری رہا، پھر اسی کے عہد میں یہ ختم بھی ہوگیا، اس سلسلے میں امام السنۃ امام احمد بن حنبل ؒ کی طرف سے دی جانے والی ناقابل فراموش قربانیاں تاریخ کا ایک سنہرا باب ہیں، ان کی بے نظیر استقامت وکمال درجے کا استقلال نے اس فتنۂ خلق قرآن کو ہمیشہ ہمیش کے لیے ختم کردیا، مؤرخین نے لکھا: یہ لمحہ اسلامی بتاریخ کے نازک ترین لمحوں میں سے تھا کہ ایک طرف تنہا ایک شخص تھا دوسری طرف پوری دنیا اس کی مخالف کررہی تھی، مگر ان کی بے پناہ شجاعت وقوت ایمانی، حمیت دینی اور غیرت ایقانی کے سامنے پوری دنیا بے بس ہوگئی، مجبور ولاچار ہوگئی، بالآخر انہیں سر تسلیم خم کرنا پڑا کہ قرآن مجید مخلوق نہیں بلکہ محض اللہ تعالی کا کلام ہے، یہ امام احمد بن حنبل ؒ کا وہ عظیم وتاریخ ساز کارنامہ تھا جس نے ایک طرف تو فتنۂ خلق قرآن کو ہمیشہ وابد تک کے لیے موت کی نیند سلا دیا، تو دوسری طرف امام احمد بن حنبل ؒ کا نام زندہ وجاوید بنا دیا کہ اس راہ کے راہیوں کے لیے نشان راہ اور پیمانۂ استقامت وعزیمت بن گئے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اس فترہ پر تفصیلی گفتگو کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ فترہ اہل سنت اور ان معتزلیوں کے مابین بڑی سخت کشاکش اور شدید کشمکش کا فترہ تھا، جس میں اہل سنت علماء کو شدائد وفتن کی بہت ہی خارزار وادیوں سے گذرنا پڑا تھا، اللہ تعالی جزائے خیر دے ان تمام علمائے کرام امت کو کہ ان کی بے داغ محنتوں بے لوث جاں سپاریوں وفداکاریوں سے یہ اور اس طرح کے بے شمار فتنے پیوند خاک ہوگئے، اس کی تفصیل خصوصا داستان ایمان وعزیمت کا تذکرہ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے بڑے والہانہ و پرسوز انداز واسلوب میں کیا ہے، جو حقیقت کی عکاسی میں اپنی مثال آپ ہے، لہذا تذکرہ میں ان مقامات پر ایک نگاہ ڈال لینی چاہئے۔

☆☆☆

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی رسنٹرل لائبریری جامعہ سلفیہ

☆ ویانا میں بین المذاہب مکالمہ مرکز:

سعودی عرب کے فرماں رواشاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کی بین المذاہب ہم آہنگی کے فروغ کے مساعی کے تحت اسپین اورآسٹریلیا کے باہمی تعاون سے ویانا میں ایک بین المذاہب مکالمہ مرکز کا قیام عمل میں آیا ہے، جس کے قیام کی منظوری آسٹریلیااوراسپین دونوں پارلیمنٹ نے دے دی تھی۔(خبر نامہ، دہلی: ۲۰۱۲/۸/۲۵ء)

☆ مصرسعودی رابطہ پل:

مصر کے صدرڈاکٹرمحمد مرسی اورسعودعرب کے فرماں رواشاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے دونوں ملکوں کے درمیان بحراحمر پرزیرتعمیر رابطہ پل منصوبے پردوبارہ کام کرنے پراتفاق کیا ہے۔واضح ہوکہ یہ منصوبہ سابق صدرحسنی مبارک کے دورہی میں شروع ہواتھا،لیکن اسرائیل کےاعتراضات کے بعدکام روک دیا گیا تھا۔(اخبارمشرق: ۲۰۱۲/۸/۲۷ء)

☆ مذہبی رواداری کے لیے یہودی اورمسلم میٹنگ:

پیرس: روس میں عبادت گاہوں پرحملوں، بچوں کے ختنہ اور حلال گوشت پرپابندی کے واقعات نے یہاں کے یہودیوں اورمسلمانوں کوسرجوڑکربیٹھنے پرمجبورکردیا ہے، ابراہیمی عقیدے سے تعلق رکھنے والی ان دونوں قوموں کے نمائندوں کی دوروزہ میٹنگ میں یورپ کے مسلمانوں اور یہودی رہنمامذاکرات کے لیے پیرس میں جمع ہیں۔ مذہبی منافرت اور یہودی مخالفت اور اسلاموفوبیا یعنی اسلام سے خوف اس میٹنگ کے اہم ایجنڈے ہیں، یہودی اورمسلم رہنماؤں کی اس دوسری ملاقات کےشرکاءکوخوش آمدید کہنےوالے یورپی یہودی کانگریس کی صدرموشے کا کہنا ہے کہ اگرمسلمانوں کی مسجد یایہودیوں کی عبادت گاہ پرحملہ ہوتا ہے، یاکسی مسلمان یایہودی فردپرحملہ ہوتا ہے،تو یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اوراپنااحتجاج ریکارڈکروائیں۔(راشٹریہ سہارالکھنؤ: ۲۰۱۲/۹/۵ء)

☆ سعودی عرب کا یمن کے لیے۲رارب۲۰کروڑڈالرکی امداد:

سعودی عرب نے ریاض میں منعقدہ ڈونرز کانفرنس کے موقع پریمن کے لیے ایندھن اورتیل کی مصنوعات کی مد میں ۲رارب۲۰کروڑڈالرز مالیت کی امداددینے کااعلان کیا ہے،سعودی عرب کے بیرونی مالیاتی امورکے نائب وزیرجلال عمریعقوب نے یمن کے لیےاس امدادکا اعلان کیا ہے،اورکہاگیا ہے کہ عطیہ دیا گیا ایندھن اس ملک کو چلانے کے لیے ضروری تھا،علاوہ ازیں سعودی عرب کے دیگرممالک سے بھی یمن کے لیے معاشی امدادکا مطالبہ کیا ہے۔ (انقلاب ممبئ ازبنارس: ۲۰۱۲/۹/۵ء)

☆☆☆

اخبار جامعہ

جامعہ سلفیہ میں تعلیم کا آغاز:

جامعہ سلفیہ بنارس میں رمضان المبارک وعید الفطر کی تعطیل کے بعد ۲۸/ اگست ۲۰۱۲ء مطابق ۹/ شوال ۱۴۳۳ھ بروز منگل دوبارہ تعلیم کا آغاز ہوا، تمام اساتذہ اور اکثر طلباء پہلے ہی روز حاضر ہوگئے، کلاسوں میں طلباء کی حاضری لی گئی اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

تقریری انجمنوں کا آغاز:

جامعہ سلفیہ میں طلباء کی تقریری مشق کے لیے اساتذہ کرام کے زیر نگرانی ندوۃ الطلبہ وحفلۃ الخطابہ کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی انجمنوں کا آغاز ۶/ ستمبر ۲۰۱۲ء بروز جمعرات کردیا گیا، مرحلہ متوسطہ وثانویہ کے طلباء کو چھ گروپ میں تقسیم کیا گیا ہے اوران کے لیے ہر جمعرات کو تین نشستیں اور عالمیت وفضیلت کے طلباء کو بارہ گروپ میں تقسیم کیا گیا ہے اوران کی تین اردو اور تین عربی نشستیں منعقد ہوتی ہیں، طلباء کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے ندوۃ الطلبہ کے پروگرام صبح سات بجے سے شروع ہوتے ہیں۔

شیخ صلاح الدین مدنی کی آمد

جامعہ سلفیہ بنارس میں جامعہ سلفیہ کی مجلس عاملہ کی سالانہ میٹنگ میں شرکت کرنے کے لیے شیخ صلاح الدین مقبول احمد مدنی تشریف لائے اور جامعہ میں اپنے قیام کے دوران آپ نے جامعہ کی تعلیمی وتعمیری سرگرمیوں کا جائزہ لیا، کئی نمازوں کے بعد آپ نے طلبۂ جامعہ کو مسجد جامعہ میں مختصر خطاب فرمایا جس میں آپ نے انہیں تحصیل علم اور حسن عمل کی ترغیب دی۔

تعطیل عید الاضحیٰ:

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) میں امسال عید الاضحیٰ کی تعطیل بتاریخ ۲۳/ اکتوبر ۲۰۱۲ء بروز منگل مطابق ۶/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ تا یکم نومبر بروز جمعرات ۲۰۱۲ء مطابق ۱۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ ہوگی۔

۳/ نومبر ۲۰۱۲ء بروز سنیچر مطابق ۱۷/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ دوبارہ تعلیم کا آغاز کردیا جائے گا، ان شاء اللہ۔ (ادارہ)

جامعہ اسلامیہ میں نیا داخلہ اور طلباء کی روانگی:

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے نئے تعلیمی سال کے لیے جامعہ سلفیہ بنارس سے فرحان عبدالمجید، خیرالاسلام بحرالحق، محمد حامد محمد شفیع، سیف الرحمٰن عبدالرشید کا داخلہ ہوا، ان خوش نصیب طلباء کو اساتذہ ودیگر طلباء نے مبارکباد پیش کی اور انہیں نیک دعاؤں سے نوازا۔

داخلہ پانے والے یہ طلباء دہلی وممبئی سے الگ الگ پرواز سے الگ الگ تاریخ میں مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ ☆

باب الفتاوی

سوال: نماز میں رفع الیدین کرنا ثابت ہے یا نہیں؟ احادیث صحیحہ، اقوال صحابہ وتابعین وائمہ کرام کی روشنی میں واضح فرمائیں۔

الجواب بعون اللہ الوہاب وھوالموفق للصواب:

صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ نماز میں رفع الیدین رسول اکرم ﷺ کی ثابت شدہ اور مشہور ومعروف سنت ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ مشہور صحابیٔ رسول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ:''أن رسول الله ﷺ يرفع يديه حذو منكبيه إذا افتتح الصلاة، وإذا كبر للركوع وإذا رفع رأسه من الركوع رفعهما كذلك أيضا......'' (صحیح بخاری، کتاب الآذان: باب رفع الیدین فی التکبیر ۃالأولی مع الافتتاح سواء، ح:۷۳۵، دارقطنی ۱/ ۲۸۷، بیہقی ۲/ ۶۹، شرح السنۃ:۵۵۹، موطأ ۱/ ۸۶)

یعنی جب رسول اللہ ﷺ نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اسی طرح اٹھاتے تھے۔ (یعنی جس طرح نماز کے شروع میں اٹھاتے تھے)

اسی طرح ایک روایت نافع سے مروی ہے کہ بلاشبہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب نماز میں داخل ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے اور جب رکوع کرتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، اور جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے اور جب دو رکعتوں کے بعد (تیسری رکعت کے لیے) کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے، اور مرفوع کیا اس (فعل) کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اللہ کے رسول جناب محمد رسول اللہ ﷺ تک۔ (یعنی روایت کیا کہ حضور ﷺ نے نماز میں اسی طرح کیا ہے) (صحیح بخاری باب رفع الیدین إذا قام من الرکعتین، ح:۷۳۹)

اس حدیث پر غور فرمائیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے مشہور ومعروف متبع سنت صحابی نے نماز میں چار جگہ رفع الیدین کرکے اس فعل کو رسول اکرم ﷺ تک مرفوع کیا۔ یعنی ان کا کہنا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بھی نماز میں ان چاروں جگہ رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ صحيح سنن أبي داؤد كتاب الصلاة، باب رفع اليدين، ح:۶۶۲ میں حضرت وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ''عن وائل بن حجرؓ قال قلت لأنظرن إلى صلوٰة رسول الله ﷺ كيف يصلي قال فقام رسول الله ﷺ فاستقبل القبلة فكبر فرفع يديه حتى حاذتا أذنيه ثم أخذ شماله بيمينه فلما أراد أن يركع رفعهما مثل ذلك ...... فلما رفع رأسه من الركوع رفعهما مثل ذالك.....الخ''

یعنی حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کو دیکھا کہ آپ کس طرح نماز پڑھتے ہیں۔ حضور ﷺ قبلہ رخ کھڑے ہوئے تکبیر کہی اور دونوں ہاتھ اپنے کندھے تک اٹھائے، پھر آپ نے رکوع کا ارادہ کرتے وقت بھی دونوں ہاتھ اٹھائے۔ جب آپ ﷺ نے رکوع سے سر مبارک اٹھایا تو اسی طرح دونوں ہاتھ اٹھائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ پوری زندگی رفع الیدین کرتے رہے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا انتقال ہوگیا۔ (نصب الراية ۱/ ۳۰۹، تلخيص الحبير ۲، كتاب الصلاة ص: ۶۱۳، ح: ۱۰۸۶)

اسی طرح حضرت ابوحمید ساعدیؓ کی مشہور حدیث (حدیث کا صرف ترجمہ ملاحظہ فرمائیں) جس میں انہوں نے اللہ کے رسول جناب محمد ﷺ کی نماز دس صحابہ کرام کے روبرو بیان کی، اور بتایا کہ حضور ﷺ نماز شروع کرتے وقت تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے، رکوع کے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے تھے، پھر (چار رکعت اور تین رکعت والی نماز میں) دو رکعت پڑھ کر کھڑے ہوتے تو رفع الیدین کرتے تھے، حضرت ابوحمید ساعدیؓ جب رسول اللہ ﷺ کی نماز کے طریقے بیان کرچکے تو دسوں صحابہ نے کہا کہ'' آپ نے سچ بیان کیا، اللہ کے رسول ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔'' (صحیح سنن ابی داود ح:۶۷۰)

اس میں ''كان يصلي'' کا جملہ استمرار کے لئے آیا ہے جس کا معنی یہ ہوا کہ آپ ﷺ نماز ہمیشہ اسی طرح پڑھتے تھے۔

اسی طرح حضرت مالک بن حویرثؓ سے مروی ہے کہ'' أن رسول الله ﷺ كان إذا كبر رفع يديه حتى يحاذى بهما أذنيه وإذا ركع رفع يديه حتى يحاذى بهما أذنيه وإذا رفع رأسه عن الركوع فقال سمع الله لمن حمده فعل مثل ذالك'' (صحيح مسلم كتاب الصلاة باب استحباب رفع اليدين حذوالمنكبين..... ج ۱/ ۱۶۸)

یہ تمام احادیث بہت ہی واضح اور صحیح ہیں۔ان میں بعض بخاری ومسلم کی روایات ہیں اوران دونوں کے بارے میں ساری امت مسلمہ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ان کی صحت بعد کتاب اللہ مسلّم ہے۔تو رفع الیدین کا مسئلہ بھی مسلّم ہے۔اس لیے کہ نماز میں رفع الیدین آپ ﷺ نے اور صحابہ کرام نے بھی کیا،اس لیے ہمیں بھی نماز میں رفع الیدین کرنا چاہئے۔

حضرت امام ترمذیؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رفع الیدین والی صحیح اور معتبر حدیث کونقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہی بات (رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت رفع الیدین کرنے والی بات) صحابہ کرام میں سے اہل علم کہتے ہیں ان میں سے ابن عمرؓ، جابر بن عبداللہؓ،حضرت ابوھریرۃؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ،حضرت عبداللہ زبیرؓ وغیرھم اور تابعین میں سے حسن بصری،حضرت عطاء،حضرت طاؤس،مجاہد،نافع،سالم اورسعید بن جبیر وغیرھم رحمھم اللہ اور یہی بات امام مالک،امام اوزاعی،امام ابن عیینہ،امام عبداللہ بن مبارک،امام شافعی،امام احمد اور امام اسحاق بن راھویہ رحمھم اللہ کہتے ہیں۔(صحیح سنن ترمذی،کتاب الصلاۃ،باب رفع الیدین عندالرکوع ح:۲۵۶)

امام ترمذیؒ کی اس صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اَربعہ میں سے تین امام،امام مالک،امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ بھی رفع الیدین کے قائل اوراس پر عامل تھے۔

اب آیئے چند مشہور ومعروف علماء کرام کے اقوال وموقف ملاحظہ فرمائیں:

۱- حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا رفع الیدین سے متعلق فتوی ملاحظہ فرمائیں:

”رفع اليدين عندالافتتاح و الركوع والرفع منه“ (غنية الطالبين لعبدالقادر جيلانیؒ، ج:۱ص:۲۲،۲۳،مطبع نفیس اکیڈمی کراچی)۔شیخ جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں تکبیراولی کے وقت اور رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرنا چاہئے۔

۲- حضرت مولانا عبدالحئی حنفی لکھنویؒ کا فتوی:

إن ثبوته عن البنيﷺ أكثر وأرجح وأما دعوى نسخه فليست بمبرهن عليها“ (التعليق الممجد:۹۱) یعنی حضورﷺ سے رفع الیدین کرنے کا بہت کافی اور نہایت عمدہ ثبوت ہے اور جولوگ یہ کہتے ہیں کہ رفع الیدن منسوخ ہے ان کا قول بے ثبوت وبے دلیل ہے۔

مذہب حنفی کی نہایت معتبر کتاب درمختار میں ہے کہ” فلا تفسد برفع يديه في تكبيرات الزوائد على المذاهب وما روى عن الفساد فشاذ“ (الدرالمختار ۱/ ۶۲، مطبع نولكشور، لكنؤ) یعنی رکوع میں جانے اور رکوع سے اٹھنے کے وقت رفع الیدین کرنے سے نماز میں کچھ نقصان نہیں،اور جنہوں نے نقصان والاقول کہاہے ان کا قول باطل ومردود ہے۔

حضرت امام محمدؒ جو احناف (بریلوی ودیوبندی) کے مسلمہ امام ہیں،حنفی مذہب کا سارا ذخیرہ ان ہی کا محنت شاقہ اور مساعی کا نتیجہ ہے۔امام موصوف امام ابوحنیفہؒ کے قابل قدر وقابل فخر شاگرد بھی ہیں۔آپ اپنی مشہور ومعروف مایہ ناز تصنیف ”مؤطاامام محمدؒ“ میں رفع الیدین کی صحیح حدیث لاتے ہیں۔ملاحظہ فرمائیں:

”عن عبد الله بن عمر قال: كان رسول اللهﷺ إذا افتتح الصلاة رفع يديه حذاء منكبيه و إذا كبرللركوع رفع يديه و إذا رفع رأسه من الركوع رفع يديه ثم قال سمع الله لمن حمده ثم قال ربنا و لك الحمد“ (موطأ لإمام محمد، ج:۱ص، ۸۷ باب افتتاح الصلوة، مطبع خورشيد بك ڈپو،امين آباد، لكهنؤ) یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہﷺ جب نماز شروع کرتے تو رفع الیدین کرتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے تو رفع الیدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرکے سمع اللہ لمن حمدہ اور ربنا لک الحمد کہتے۔

یہ یاد رہے کہ رسول اللہ ﷺ کا قول یا فعل یا فتوی کسی امام،مفتی یا فقیہ کے قول وفعل یا فتوی سے بدلا نہیں جاسکتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا قول وعمل رفع الیدین ہی کا ہے۔

ھذا ماعندی واللہ أعلم بالصواب
ابوعفان نورالہدی عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس